سمجھ انجام گلشن کا......

سید محمد کفیل بخاری

ملکی حالات بڑی برق رفتاری کے ساتھ خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔ دھرنوں اور احتجاجی ریلیوں نے کاروبارِ زندگی مفلوج کر دیا ہے۔ قتل، اغواء، آبروریزی کے وحشیانہ واقعات نے عوام کے ذہنوں پر خوف طاری کر دیا ہے۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو تو صرف اپنے اقتدار کی فکر ہے۔ قوم کس کرب سے گزر رہی ہے انھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ ڈی چوک دھرنے سے شروع ہونے والا خطرناک کھیل، فیض آباد اور داتا دربار سے ہوتا ہوا سیال شریف پہنچ کر اختتام پذیر ہو گیا۔ لیکن اس دوران واقعات و سانحات قابلِ افسوس بھی ہیں اور باعثِ عبرت بھی۔ اگرچہ ہم تحریک پاکستان، قیامِ پاکستان، دستورِ پاکستان اور اب پیغامِ پاکستان کے قومی بیانیے تک ستر سالہ سفر طے کر آئے ہیں لیکن ملک ابھی تک سیاسی اور معاشی بحرانوں کے بھنور میں ڈبکیاں لے رہا ہے۔ صرف سڑکیں اور پل بنانے سے تو ملک ترقی نہیں کرتے۔ جب تک تعلیمی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں اصلاح و ترقی نہیں ہوتی حالات جوں کے توں رہیں گے۔

ہر طرف حکمرانوں کی کرپشن اور لوٹ مار کی دُہائی ہے۔ آئین و دستور ہی کسی ریاست کی بنیاد و اساس ہوتا ہے۔ دستورِ پاکستان، دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے دساتیر کے مقابلے میں بہترین دستور ہے، اگر حکمران اسی پر عمل پیرا ہوتے اور اپنے حلف کی پاسداری کرتے تو حالات مختلف ہوتے۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ حلف اٹھانے والوں کی زبان اُن کے دل کی رفیق نہیں۔ قوم میں سیاسی شعور بیدار ہی نہیں ہونے دیا گیا، تھوڑا بہت جو موجود تھا اسے بھی ختم کر دیا گیا۔ قوم بار بار انھی لوگوں کو ہی منتخب کر کے ایوانِ اقتدار میں پہنچاتی ہے جس کے نتائج قوم اور حکمران دونوں بھگت رہے ہیں۔

قصور میں معصوم زینب اور مردان میں اسماء کا ظالمانہ قتل، کراچی میں نقیب اللہ اور اس کے ساتھیوں کا جعلی پولیس مقابلے میں سفاکانہ قتل اور شبقدر میں حافظ قرآن کالج کے پرنسپل کا ایک طالب علم کے ہاتھوں قتل، یہ تو چند تازہ ترین سانحات ہیں جو ذرائع ابلاغ میں نمایاں ہو گئے، ورنہ ایسے دردناک سانحات روزمرہ کا معمول ہیں اور ماضی میں ہونے والے واقعات لاتعداد ہیں۔ کتنے مجرموں کو سزا ہوئی؟ قانون موجود ہے لیکن سزا عنقا۔ اوّل تو قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے، اگر صحیح استعمال ہو تو نافذ کرنے والے ادارے ہی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ جعلی پولیس مقابلوں میں ہلاکتیں باقاعدہ کلچر بن گیا ہے۔ زینب کے والد کا چیف جسٹس اور آرمی چیف کو انصاف کے لیے پکارنا موجودہ نظام پر عدمِ اعتماد نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر چیف جسٹس کی طرف سے قاتل عمران کی سیکورٹی کا ذمہ دار آئی جی کو قرار دینا بھی کسی حادثے کو روکنے کا غماز ہی تو

ہے۔ آج زینب کے قاتل کو سرِ عام پھانسی دینے کا مطالبہ وہ لوگ بھی کر رہے ہیں جو ماضی میں شرعی سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر صحیح معنوں میں حدود اللہ کا نفاذ کر دیا جائے تو مظلوموں کو انصاف ملے گا، امن قائم ہوگا اور حکمرانوں پر عوام کا اعتماد بھی بحال ہوگا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ ہے، ڈارون کے نظریۂ ارتقا کی پیداوار دانش ور حکمرانوں نے جنسی تشدد کی روک تھام کا حل یہ نکالا کہ بچوں کو نصاب میں جنسی تعلیم دی جائے۔ جہاں نقیب اللہ اور اسماء کے قاتل دندنا رہے ہوں، حکمران اور سیاست دان اُن کے پشت پناہ اور محافظ ہوں، وہاں کیا انصاف اور کیا امن؟ مقتدر اشرافیہ کو تو فی الحال مارچ میں سینٹ اور پھر عام انتخابات 2018ء کی فکر ہے۔ انصاف کا علم بردار ابھی تک ''ایمپائر کی انگلی'' کھڑے ہونے کا منتظر ہے۔ شیر پوچھتا پھرتا ہے ''مجھے کیوں نکالا''؟ ''بابا کا میڈین (کینیڈین)'' تماشا دکھا کر فرّ ہونے والا ہے اور وہ جو ''سب پہ بھاری'' ہے ان تینوں پر قہقہے لگا کر دانت دکھا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور پاکستان کی حفاظت فرمائے۔ ان حالات کے تناظر میں مجھے امام سید ابوذر بخاریؒ کے چند اشعار یاد آ گئے

تماشا ہے کہ سب دانا بنے ہیں احمق اور جھلُّو
سمجھ انجام گلشن کا کہ ہے ہر شاخ پہ اُلُّو
عجب حالات ہیں اپنے، ہے کون انکو جو سلجھائے
وہی دانا ہے جو اپنا بچا لے دامن اور پلُّو
اِدھر بہروپیوں سے دین میں گڑ بڑ گھٹالا ہے
سیاست ہے اُدھر چڑ بیٹ، دھوکا، گھپلا اور جھُرلو
مَصافِ زندگی میں کوئی بھی حق کا نہیں ساتھی
مگر کہنے کو سب عاشق فَـاِنْ جُـزْءٌ وَلَـو كُلُّو
فقط اغراض کی ہے جنگ اور گھمسان کا رن ہے
کہ لیڈر ڈوبنا چاہیں تو کافی ان کو ہے چُلُّو
اکھاڑہ بن گیا ہے تخریب و سازش کا یہ ملک آخر
خدا حافظ ہے ورنہ اس کو مشکل ہے نظر بٹّو

امیر شریعت کانفرنس (9/مارچ 2018ء)

عبداللطیف خالد چیمہ

یوں تو سال مہینہ نہیں، پوری زندگی ہم نے تحریک ختم نبوت کے لیے اللہ کی توفیق سے وقف کر رکھی ہے، لیکن تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت مارچ 1953ء کے دس ہزار شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے مارچ کے مہینے میں ہم سرخ پوشانِ احرار ہر سال خاص طور پر شہداء ختم نبوت کانفرنسز کا اہتمام کرتے ہیں، قیام ملک کے بعد جب احرار نے انتخابی سیاست سے کنارہ کشی کے بعد دفاع پاکستان اور تحفظ ختم نبوت پر اپنی تمام توانائیاں وقف کر دیں تو مرزا بشیر الدین محمود نے بلوچستان کو احمدی اسٹیٹ بنانے کا اعلان کرتے ہوئے 1952ء کو احمدیت کا سال قرار دیا، اور وزیر خارجہ آنجہانی ظفر اللہ خاں نے بیرون ممالک پاکستانی سفارت خانوں کو قادیانی ارتدادی مراکز میں تبدیل کر دیا اور خود ظفر اللہ خاں نے کراچی کے ایک جلسۂ عام میں احمدیت کو زندہ مذہب اور اسلام کو مردہ مذہب قرار دیا، ایسے میں جب یہ محسوس ہونے لگا کہ قادیانی پاکستان کے اقتدار پر شب خون مارنے کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا، کہ مرزا بشیر الدین محمود 52ء تیرا ہے تو پھر 53ء ہمارا ہے، 31/دسمبر 1952ء کو رات بارہ بجے کے بعد چنیوٹ کی احرار ختم نبوت کانفرنس میں شاہ جی نے فرمایا کہ ''بشیر الدین! تیرا 52ء گزر چکا! اب ہمارا 53ء شروع ہو چکا ہے، چنانچہ احرار کی میزبانی میں کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتب فکر کو اکٹھا کیا گیا اور حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کو قیادت کا فریضہ سونپا گیا، لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے، کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو علیحدہ کرنے اور ظفر اللہ خاں سے وزارت خارجہ کا قلمدان واپس لینے کے مطالبات، حاجی نمازی حکمرانوں نے یہ کہہ کر رد کر دیے کہ اس سے ''امریکہ ہماری گندم بند کر دے گا''۔

راست اقدام کا فیصلہ ہوا تو پاکستان میں مارشل لاء کا جبر سب سے پہلے ''تحریک ختم نبوت'' پر ہی آزمایا گیا اور لاہور کے مال روڈ سمیت ملک بھر میں دس ہزار فرزندان اسلام کے سینے اس لیے گولیوں سے چھلنی کر دیے گئے کہ وہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کیے گئے خطے میں منصب رسالت و ختم نبوت کا آئینی تحفظ چاہتے تھے۔

احرار کو خلاف قانون قرار دیا گیا، دفاتر سیل ہوئے، ریکارڈ ضبط ہوا اور قیادت پابند سلاسل! سارا جبر سہہ کر بھی قیادت اپنے مؤقف پر ڈٹی رہی اور حضرت امیر شریعت مرحوم نے فرمایا تھا کہ ''اس تحریک کے ذریعے میں ایک ٹائم بم چھپا کر جا رہا ہوں جو اپنے وقت پر پھٹے گا اور قادیانی اپنے انجام کو پہنچیں گے''۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ شاہ جی کا خواب 7/ستمبر 1974ء کو بھٹو مرحوم کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر ہوا اور قومی اسمبلی نے لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو دستوری طور پر پاکستان کی ساتویں غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ ہم تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کو جلا بخشنے والوں کے مشن کو زندہ رکھنے میں ہی دنیا

وآخرت کی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ اسی نسبت سے 9/ مارچ 2018ء بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ مغرب ''ایوان اقبال ''ایجرٹن روڈ نزد شملہ پہاڑی ، لاہور میں ''امیر شریعت کانفرنس'' کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس کی صدارت ابن امیر شریعت، قائد احرار حضرت پیر جی عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالی کریں گے اور مہمان خصوصی ابن مفتی محمود، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ العالی ہوں گے، اس کانفرنس میں ملکی سطح کی دینی وسیاسی قیادت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں خدمات'' کو خراج تحسین پیش کرے گی ، کانفرنس کی مجلس منتظمہ، جماعت کے سنیئر رہنماء جناب میاں محمد اویس کی سربراہی میں یہ کوشش کر رہی ہے کہ استعمار، اس کے ایجنٹوں اور حاشیہ برداروں کے مکروہ کردار سے پردہ اٹھانے اور دنیا بھر میں اسلامی تحریکوں کو حوصلہ دینے کے لئے یہ کانفرنس اہم کردار ادا کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی، حضرت مولانا خواجہ عزیز احمد، شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی، مولانا شاہ اویس نورانی، جناب پیر معین الحق گولڑہ شریف، حافظ عاکف سعید، مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا عبدالرؤف فاروقی، حضرت مولانا اللہ وسایا، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد الیاس چنیوٹی، مولانا سید محمد انیس شاہ، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، جناب راجہ محمد ظفر الحق، جناب چودھری پرویز الٰہی ، ڈاکٹر عتیق الرحمٰن، جناب محمود شام، جناب مجیب الرحمٰن شامی، جناب ڈاکٹر لعل خان اور کئی دیگر نمائندہ شخصیات کو مدعو کیا گیا ہے۔ کچھ اسماء گرامی کنفرم ہو چکے ہیں، باقی زیر رابطہ ہیں، آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ 9/ مارچ کی امیر شریعت کانفرنس لاہور میں اپنی شرکت کو یقینی بنائیں اور دعا فرمائیں کہ یہ کانفرنس اپنا حقیقی پیغام دینے میں کامیاب وکامران ہو اور احرار زیادہ پختہ عزم لے کر اپنے مقصد کے لیے آگے بڑھیں۔ آمین، یارب العالمین!

یوم تاسیس جامع مسجد احرار چناب نگر

آج سے بیالیس سال قبل 27/ فروری 1976ء کو ''ربوہ'' میں احرار کا پہلا فاتحانہ داخلہ ہوا، پاکستان بننے کے بعد بانی احرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر احرار اس کوشش میں لگے رہے کہ قادیان کی طرح ربوہ میں بھی مسلمانوں کا مرکز قائم ہو جائے اور شعبۂ تبلیغ کا دفتر بن جائے تاکہ قادیانی تسلط دم توڑ جائے، انھی اکابر کی دعاؤں اور جدوجہد کا ثمر تھا کہ 1975ء میں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاونین قاری عبدالحئی عابد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اسحاق سلیمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا راؤ محمد ارشاد، چنیوٹ کے کچھ ساتھیوں اور فیصل آباد کے معاونین کے ذریعے چناب نگر (ربوہ) کے ڈگری کالج کے ساتھ کچھ جگہ خریدنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں ایک تبلیغی جلسہ بھی کیا تا آنکہ 27/ فروری 1976ء جمعۃ المبارک کو ربوہ میں پہلے مرکز احرار وختم نبوت کے باقاعدہ سنگ بنیاد اور خطبہ ونماز جمعہ کا اعلان کر دیا گیا، روزنامہ نوائے وقت لاہور میں اشتہارات دیے گئے، پیپلز پارٹی

کی رسوائی زمانہ حکومت اور سرکاری انتظامیہ دو روز قبل حرکت میں آ گئی۔ جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک روز قبل رات کے اندھیرے میں حیلے اور تدبیر سے متعینہ جگہ کے قریب ملفوف طور پر قیام پذیر ہو گئے، تحریک طلباء اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ برادرم محمد عباس نجمی رحمۃ اللہ علیہ کو رات فیصل آباد سے اس وقت گرفتار کر لیا گیا، جب وہ ان ناروا پابندیوں کی بابت اعلیٰ سرکاری حکام کو ٹیلی گرام دینے ٹیلی گراف آفس فیصل آباد پہنچے، مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے فیصل آباد میں رہائش گاہ بدل لی۔

راقم الحروف تب گورنمنٹ کالج ساہیوال میں تھرڈ ائیر کا طالب علم تھا، 27/فروری جمعۃ المبارک کو صبح سویرے فیصل آباد پہنچ کر اگلی بس پر سوار ہونے کی کوشش کی تو پولیس ربوہ جانے والے مسافروں کو سوار نہیں ہونے دے رہی تھی، میرے ساتھ میرے کلاس فیلو چودھری محمد ارشاد ہم سفر تھے، ہم نے سرگودھا کا ٹکٹ لیا اور ربوہ سے ذرا آگے جا کر اتر گئے اور پھرتے پھراتے ڈگری کالج کے قریب پہنچے تو ہر طرف دور سے روکے گئے شرکاءِ نماز جمعۃ المبارک نظر آ رہے تھے اور مسجد کی جگہ جم غفیر پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا، قبل ازاں صبح سویرے قائد احرار مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھ چکے تھے، مبادا پیش آمدہ صورتحال میں یہ رہ نہ جائے، ہمارے پہنچنے سے پہلے مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کا آغاز کیا تو گرفتار کر لیے گئے، پولیس اسلحہ تانے چوکس کھڑی تھی اور ہراسمنٹ اپنے عروج پر تھی کہ بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت ایم این اے بھی تھے پہنچ گئے، تب تحریک طلباء اسلام کے مرکزی صدر ملک رب نواز (ایڈووکیٹ) نے چند لمحے بیان کیا، اسی اثناء میں فاتح ربوہ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی پہنچ گئے، مجھے یاد ہے کہ ملک رب نواز نے کہا کہ وہ شاہ جی آ رہے ہیں، تو حضرت ہزاروی مرحوم اپنے خاص لہجے میں فرمانے لگے کہ ''نام نہیں لیتے ناں''۔

حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کے بعد مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر شروع فرمائی تو پولیس افسر گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے......امیر شریعت کے بیٹے نے جرأت اور بہادری سے کہا کہ میں پہلے تقریر کروں گا، خطبہ جمعہ دوں گا، پھر نماز پڑھاؤں گا، پھر گرفتاری دونگا۔

ایسی تقریر اور ایسا خطبہ......واہ شاہ جی واہ......فرمایا! یہ قطعہ زمین ہم نے قیمت ادا کر کے خریدا ہے، حکومت اور 6 ضلعوں کی پولیس یاد رکھے قیامت کے دن! ہمارا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان۔

شاہ جی نے ربوہ میں پہلے جمعۃ المبارک کی جماعت کرائی اور اپنے باپ کی سنت ادا کرتے ہوئے گرفتاری دے دی! پھر کیا ہوا کہ اہل حق کے لیے ربوہ کے راستے کھل گئے اور یہ سارا فیض احرار اور فرزندانِ امیر شریعت کا ہے، آج ربوہ چناب نگر ہے اور اس کے چاروں طرف توحید و ختم نبوت کے نغموں اور ترانوں کی صدائیں قادیانیوں کو دعوت اسلام اور دعوت حق دے رہی ہیں، کوئی دیکھنا چاہے تو چناب نگر (ربوہ) آ جائے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ میزبانی کریں گے۔ 12/ربیع الاوّل کو ''ایوان محمود'' کے سامنے زعماء احرار، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار کے جوشِ ایمان کا نظارہ کرے، قادیان

کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

کانفرنسز کا سہ روزہ

امیر شریعت کانفرنس 9 / مارچ 2018ء لاہور کا تعین ہو چکا تھا کہ یہ بات علم میں آئی کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے 10 / مارچ 2018ء ہفتہ کو لاہور کی بادشاہی مسجد میں ختم نبوت کانفرنس کا اہتمام ہو رہا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ 11 / مارچ 2018ء اتوار کو ایوان اقبال لاہور میں ہی انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کی جانب سے بھی ”ختم نبوت کانفرنس“ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

سُبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

لیکن الحمدللہ ہمیں یقین ہے یہ کہ منزل سب کی ایک ہے، ہم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے لیے بھی دعا گو ہیں اور مذکورہ دونوں کانفرنسز کو اپنے ہی اجتماعات تصور کرتے ہیں۔ مجلس احرار اسلام برصغیر میں تحریک ختم نبوت کی اولین اور بانی جماعت ہونے کا اعزاز رکھتی ہے، اسی ناتے اپنی برادر تنظیموں کے لیے ہمیشہ نیک تمناؤں کا اظہار کرتی رہی ہے۔ حلقۂ احرار 10,9 اور 11 مارچ کے مبارک اجتماعات کو کانفرسوں کا ”سہ روزہ“ قرار دیتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ تحریک ختم نبوت کی تمام جماعتوں کو مزید ترقی عطا فرماویں اور ہم سب کو مل جل کر اس محاذ کے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر مشترکہ جدوجہد کی طرف کوئی قدم بڑھانے والے بنا دیویں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین، یارب العالمین!

conventions zimma daran 2018.JPG not found.

اسلامی ریاست میں حکمرانوں کی ذمہ داریاں

پروفیسر خالد شبیر احمد

اسلامی ریاست میں حکمرانوں کی ذمہ داریاں ہی اس نوعیت کی ہیں کہ ہر ذمہ داری کو پورا کرنے کے بعد معاشرہ خود بخود پرسکون ہوتا چلا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کے مطابق حکمران، حکمران نہیں ہوتے بلکہ قوم کے خادم ہوتے ہیں، ان کے لیے اقتدار عیش وعشرت کا ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسی ذمہ داری ہوتا ہے جس کے لیے وہ اپنے آپ کو عوام سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں میں سب سے زیادہ لوگوں کے دین وایمان، جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کو ہی اہمیت دیتے ہیں کہ یہ ان کا بنیادی فریضہ ہے جسے پورا کیے بغیر لوگ معاشرے میں اپنے فرائض کو ادا کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہ سکتے جو ریاست یا پھر حکومت کی طرف سے ان پر عائد کیے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال سے بات واضح ہو جاتی ہے وہ رات کو رعایا کے حالات معلوم کرنے کو نکلتے تھے۔ تاکہ لوگوں کی پریشانیوں کا خود جائزہ لے سکیں۔ انھوں نے اپنی پیٹھ پر غلہ رکھ کر خود لوگوں تک پہنچایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے بوڑھے، اپاہج لوگوں اور حاجت مندوں کے فہرستیں بنا کر انھیں وظائف دیے۔ اس کام کے لیے ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا تھا جس کے ذریعے قومی بیت المال سے مستحق لوگوں کو ہر قسم کی امداد مہیا کی جاتی تھی۔ اس حوالے سے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا منصب سنبھالے پھر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے محنت اور دیانت سے کام نہ لے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔

دین اسلام میں ذمیوں یعنی غیر مسلموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اسلامی ریاست میں اُن کے حقوق کا تذکرہ موجود ہے۔ کہ ان کی جان ومال، عزت وآبرو کی، ان کی عبادت، ان کے مذہبی تہواروں کے تحفظ کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہے اور غریب غیر مسلموں کو بھی اسی طرح بیت المال سے مدد مہیا کی جائے گی جس طرح مسلمانوں کو مہیا کیے جانے کے احکامات ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی موجود ہے:

''اللہ کی قسم! ہم انصاف پر نہیں اگر ہم لوگوں کے ایامِ ضعیفی میں انھیں بے سہارا چھوڑ دیں۔ جب کہ اس سے پہلے ہم نے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا ہو۔'' آپ ہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر مجھے زندگی نے مہلت دی تو میں ایسا نظام قائم کروں گا کہ ''مزما'' کی پہاڑیوں میں رہنے والا گڈریا بھی اجتماعی دولت میں حصہ دار بن جائے اور آپ نے ایسا کر کے دکھا بھی دیا تھا۔

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم کا علمبردار ہے اور امیر اور غریب کے درمیان وحشیانہ امتیاز کو ختم کرنے کے لیے مخیّر حضرات پر زکوٰۃ، صدقات، خیرت کے ذریعے دولت کو غریب لوگوں کی طرف لوٹانے کا باعث بنتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں خلفائے راشدین کا دورِ حکومت مثالی ریاست کی ایک خوبصورت تصویر پیش کرتا ہے۔

عدل وانصاف:

اسلامی ریاست کا تصور عدل وانصاف کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کا معیار اس لیے بھی بلند ہے کہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: ’’کہ اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہے تو وہ مجھ سے اس کا بدلہ یہیں اس دنیا میں لے لے، میں ایسا نہیں چاہتا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوں کہ کسی پر زیادتی کا بوجھ میری گردن پر ہو۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو قاضی شریح کی عدالت میں پیش کیا اور عدالت کے فیصلہ کو قبول کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قاضی حضرت زید کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ زید تم اس وقت تک قاضی نہیں کہلا سکتے جب تک عمر بن خطاب کو ایک عام مسلمان کے برابر نہیں سمجھتے۔ آپ نے یہ بات اس وقت کہی جب آپ کسی مقدمہ کے سلسلے میں قاضی کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کہ قومیں اس وقت ذلیل ہوئیں کہ جب ان کا قانون صرف کمزور اور ناتواں لوگوں تک کے لیے تھا۔‘‘ ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کی سزا دیتا۔‘‘

آج کے اس متمدن ومہذب دور میں جس کا دعویٰ اہل مغرب کو ہے، امریکہ اور برطانیہ سمیت سبھی جدید ریاستی سربراہوں کو قانونی طور پر عدالتی استثناء حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر اگر سپریم کورٹ لوگوں کے ساتھ بے انصافی کو ختم کرنے کے لیے کوئی حکم دیتی ہے تو اس سے ہمارے جمہوری اداروں کی توہین ہو جاتی ہے۔ عدالت کا کوئی حکم پارلیمنٹ کے کسی فیصلے کے خلاف چلا جائے تو پارلیمنٹ کی توہین ہو جاتی ہے۔قانون وآئین کے ماہرین اس پر بحث کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ قومی اسمبلی سے بالا نہیں کہ وہ اس کے کسی فیصلے کے خلاف فیصلہ کرے۔گویا ہماری پارلیمنٹ کا درجہ معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلند ہے جو اپنے آپ کو انصاف کے لیے عام لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ادھر خود سپریم کورٹ بھی ان تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے جو عدل وانصاف کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔صادق وامین کی بحث اپنے عروج پر ہے لیکن دیکھنا یہ بھی ہے کہ جو لوگ عدل کی کرسی پر بیٹھے انصاف کر رہے ہیں، وہ خود بھی صادق وامین کے معیار پر پورے اترتے ہیں کہ نہیں۔ پاکستان میں تو آئین اور قانون صرف آئین وقانون کی کتابوں میں ہی رہ گیا ہے۔کہا جاسکتا ہے ؎

شش جہت میں ہے تیرے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہ گار نہیں!

ضرورت اس امر کی ہے کہ عدل وانصاف کے معیار کو اسلامی احکام کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ معیاری بنایا جا سکے۔اس کے بعد ہی اُن مسائل سے نجات حاصل ہوسکتی ہے جن میں آج ہمارا ملک مبتلا ہے کہ حکمرانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں ہے۔

سیاسی اشرافیہ اور بیوروکریسی کا کڑا اِحتساب

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

اطلاعات کے مطابق رواں برس عام انتخابات ہونے سے پہلے نیب اور حساس اداروں نے قومی وصوبائی اسمبلی کے اراکین کے اثاثوں کی چھان بین شروع کردی ہے۔جبکہ صوبائی حکومت کے تحت جاری ترقیاتی منصوبوں پر تحقیقات کا آغاز کردیا گیا ہے۔ذرائع کے مطابق ابھی ابتدائی چھان بین ہورہی ہے، تاہم انتخابات سے پہلے ہی باقاعدہ کارروائی کا آغاز کرکے تحقیقات کا سامنا کرنے والے اراکین پارلیمنٹ کوطلب بھی کیا جاسکتا ہے۔نیب کی تحقیقات کا دائرہ کار دیگر محکمہ جات تک پھیلنے کے اشارے بھی مل رہے ہیں۔ہاؤسنگ کالونیوں، نیز بیرون ملک جائیدادیں بنانے اور منی لانڈرنگ کرنے والے وزرا، ارکان اسمبلی اور اعلیٰ بیوروکریٹس کے خلاف اہم ثبوت اکٹھے کرلیے گئے ہیں۔قومی اخبار میں فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق جن افراد کے خلاف نیب کارروائی چاہ رہی ہیں اُن میں 6 سابق اعلیٰ افسران شامل ہیں، جن کا تعلق اہم ترین اداروں سے بتایا جاتا ہے، جبکہ 3 وفاقی وزیر، 6 سابق وزرا اور 12 اعلیٰ پولیس افسران بھی شامل ہیں ،جن کے خلاف ثبوت اکٹھے کرکے کارروائی شروع کردی گئی ہے۔ان تمام لوگوں نے بے نامی جائیدادیں بنا رکھی ہیں اور مذکورہ وزراء نے مختلف کمپنیوں میں سرمایہ کاری بھی کررکھی ہے۔ذرائع کے مطابق اس حوالے سے نیب نے کافی حد تک ثبوت اکٹھے کرلیے ہیں، چند دنوں میں نیب کی جانب سے 3 وفاقی وزراء کو نوٹس بھی ملنے کا امکان ہے۔

ہمارا اِنتخابی نظام جن بنیادوں پر اُستوار کیا گیا ہے، اُس میں نیچے سے اوپر تک کرپشن اور اقربا پروری کے بارہ مسالے کُوٹ کُوٹ کر اِستعمال میں لائے گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اِس ٹکسال سے جو بھی سکہ ڈھل کر نکلتا ہے، وہ سیر نہیں سوا سیر کا ہوتا ہے۔انہی خصوصیات کی بدولت کمزور نظام والے ملکوں میں پاکستان چھٹے نمبر پر ہے۔جمہوری نظام کو ضعف و اضمحلال سے دوچار کرنے والا وہی نسل در نسل اقتدار پرست مافیا ہے جو سرمایہ پرستوں، رسہ گیروں، بلیک مارکیٹرز، ٹارگٹ کلرز اور قبضہ گروپوں پر مشتمل ہے اور اِس ملک پر ستر برس سے مسلط ہے۔وہ پاکستان کے سیاسی نظام کو شفافیت کی راہ پر چلنے ہی نہیں دیتا۔نتیجہ یہ ہے کہ جمہوری ڈھانچہ تنزل اور اَبتری کی دلدل میں تیزی کے ساتھ گرتا جارہا ہے۔چپڑاسی کے تقرر کے لیے میرٹ، کلرک کی تعیناتی کے لیے قابلیت، حتیٰ کہ ڈرائیور کے لیے ٹیسٹ اور اِنٹرویو ضروری ہے، مگر اَسمبلی اور سینٹ کا رُکن بننے کے لیے کسی تعلیم، تجربہ، مہارت، قابلیت، شخصی اوصاف اور ذہانت کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔پی ایچ ڈی کرنے والے دھکے کھاتے ہیں اور پرائمری اور مڈل فیل اسمبلیوں کی رکنیت پاتے ہیں۔ہمارے اصلی حکمرانوں کو قابل افراد کی بجائے ایسے ہی بھانڈوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو اُن کے اقتدار کی مضبوطی کے لیے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھائیں۔ایسے نورتن

ہی شاہی دربار میں مسند کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور حق گوئی کرنے والوں کا مقدر گوالیار کے قلعہ کا قید خانہ ہوتا ہے۔

بوگس اور جعلی ووٹوں پر بننے والے نمائندوں سے عوامی نمائندگی کی توقع دیوانے کا خواب ہے۔ جو شخص لاکھوں روپے میں پارٹی ٹکٹ خرید کر اور کروڑوں روپے انتخابی مہم پر خرچ کر کے اسمبلی میں پہنچتا ہے۔ وہ عوامی نمائندگی نہیں کرے گا، بلکہ اپنا پیٹ ہی بھرے گا۔ کبھی ترقیاتی فنڈز کے نام پر دولت اور کبھی پارٹی سے وفاداری کے صلے میں بھاری رقمیں اُس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ کروڑوں کے قرضے معاف ہوتے ہیں اور اُن کی منڈلیاں کرپشن کی انتہا اور ہارس ٹریڈنگ کرنے کے باوجود این آر او کے ذریعے پھر مقدس گائے کا درجہ پالیتی ہیں۔ یہ کرپٹ انتخابی نظام ہی ہے جو سینٹ کے امیدوار کو پندرہ لاکھ، قومی اسمبلی کے امیدوار کو چالیس لاکھ اور صوبائی اسمبلی کے امیدوار کو بیس لاکھ روپے کی انتخابی مہم چلانے کی قانونی اجازت دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ اخراجات کروڑوں کی حد کو چُھو لیتے ہیں۔ اِس سرمایہ داری نظام میں کسی غریب کے لیے انتخابات لڑنا تو ایک طرف رہا، وہ تو ووٹ ڈالنے کے لیے جانے سے بھی قاصر ہوتا ہے کہ ووٹ ڈالے یا بچوں کی دو وقت کی روٹی کا انتظام کرے۔ جب تک انتخابی نظام میں خاطر خواہ انقلابی تبدیلیاں نہیں لائی جاتیں، ووٹر اِس استحصالی نظام کے ہاتھوں مجبور ہے کہ عوامی نمائندگی کے نام پر قوم و ملک کا سرمایہ ہڑپ کرنے والوں کو منتخب ہوتا دیکھتا رہے اور کڑھتا اور روتا پیٹتا رہے، کہ وہ اِس کے سوا کر ہی کیا سکتا ہے!

ملک پر مسلط دوسرا مافیا غلامی کے دور کی بدترین یادگار بیوروکریسی ہے۔ بیوروکریسی کا ''بابو گروپ'' جو پہلے ڈی ایم جی ہوا کرتا تھا۔ اب اس نے اپنا نام پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس رکھ لیا ہے۔ نوکر شاہی کہلانے والا یہ مافیا عوام کا خادم کیسے ہوسکتا ہے۔ بے اندازہ مراعات اور بھاری تنخواہوں کے باوجود دَولت کی حرص ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ اندازہ کیجیے کہ بیس، اکیس اور بائیس گریڈ کے ڈیڑھ دو لاکھ کے تنخواہ دار بیوروکریٹ کے بچے کیسے امریکہ اور یورپ کے ان تعلیمی اداروں میں پرورش پاتے ہیں جہاں ایک سمسٹر کی فیس ہی 50 ہزار ڈالر سے ایک لاکھ ڈالرز کے درمیان ہے۔ نوکر شاہی کے یہ کارندے ہر سال چھٹیاں گزارنے کے لیے سوئٹزرلینڈ، ویانا اور جزائر غرب الہند جاتے ہیں۔ پاکستان میں مہنگی ترین لگژری گاڑیوں میں گھومتے اور پوش علاقوں کے وسیع بنگلوں میں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے شاہانہ خرچے بھاری کرپشن کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں ہیں۔ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے ساتھ بیوروکریسی کی سیاست میں آمد ہوئی۔ زرداری کے دور میں صوبائی بیوروکریسی بھی سیاست میں ملوث ہوئی۔ اب بیوروکریسی اور سیاست یک جان دو قالب ہیں۔ بدعنوانوں کے اس اتحاد نے سیاسی نظام کو جس بری طرح آلودہ کیا ہے۔ یہ گند اب جلد صاف ہونے والا نہیں ہے۔ قانون کی مکمل عمل داری میں بے رحمانہ، غیر جانبدارانہ اور کڑا اِحتساب ہی اِس کا واحد حل ہے۔ جس کے بعد کسی کا تذکرہ پانامہ اور پیراڈائز لیکس میں نہیں آئے گا۔ پھر نہ کوئی عدالتی لاڈلا کہلائے گا اور نہ کوئی نااہل ہوگا اور نہ کوئی راؤ انور جیسا ایس ایس پی رینک کا افسر پچاسی ارب روپے کی منی لانڈرنگ اور چار سو جھوٹے پولیس مقابلوں کے الزامات کا حامل ہوگا۔

پیغامِ پاکستان

مولانا زاہد الراشدی

یکم جنوری کو ایوانِ صدر اسلام آباد میں پیغامِ پاکستان کے اجرا کی تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور اکابرینِ امت کے ارشادات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ کتاب پیغامِ پاکستان معروضی حالات میں اسلام، ریاست اور قوم کے حوالہ سے ایک اجتماعی قومی موقف کا اظہار ہے جو وقت کی اہم ضرورت تھا اور اس کے لیے جن اداروں، شخصیات اور حلقوں نے محنت کی ہے وہ تبریک و تشکر کے مستحق ہیں۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تیار کردہ تمام مکاتب فکر کے متفقہ پیغامِ پاکستان میں بنیادی اور اصولی باتیں تو وہی ہیں جن کا گزشتہ دو عشروں سے مسلسل اظہار کیا جا رہا ہے اور کم و بیش تمام طبقات اور حلقے ان پر متفق چلے آ رہے ہیں۔ اس کا ذکر مذکورہ تقریب میں مولانا فضل الرحمان اور مولانا مفتی منیب الرحمان نے اپنے خطابات کے دوران تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے کہ اسلامی ریاست کے خلاف عسکری محاذ آرائی، نفاذِ شریعت کے لیے مسلح جنگ، پرامن شہریوں کا قتل، دستور کی بالادستی کو چیلنج اور خودکش حملوں کے ناجائز ہونے کے بارے میں دینی حلقے اور ان کی قیادتیں اس افسوسناک عمل کے آغاز سے ہی لگاتار اپنے دوٹوک موقف کا اعلان کر رہی ہیں۔ تاہم اس کے باوجود وسیع تر دائرے میں اعلیٰ ترین سطح پر ریاستی اداروں کے اشتراکِ عمل کے ساتھ صدرِ اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب ممنون حسین کی قیادت میں اس نئے اور اجتماعی اظہار نے اسے متفقہ قومی موقف کی حیثیت دے دی ہے اور آج کے قومی اور عالمی حالات میں اس کی اہمیت و افادیت کو دوچند کر دیا ہے جس سے دنیا کو پاکستانی قوم کی طرف سے ایک واضح اور دوٹوک پیغام ملا ہے۔ البتہ پیغامِ پاکستان میں بظاہر ایک نئی بات فرقہ واریت کے حوالہ سے ضرور سامنے آئی ہے کہ کسی فرد یا طبقہ کی تکفیر اور اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے عمل کو ریاست و عدالت کے دائرہ اختیار میں محصور قرار دیا گیا ہے جو مختلف حلقوں کی وسیع تر باہمی تکفیری مہم اور اس میں مسلسل اضافے کے باعث ضروری ہو گیا تھا اور اس کا سنجیدہ حلقوں میں خیر مقدم کیا جائے گا۔ ویسے عملاً پہلے بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے اجماعی فیصلے اور فتوے کے عملی نفاذ کے لیے پارلیمنٹ اور عدالتِ عظمیٰ کو ذریعہ بنایا گیا تھا اور انہی کے فیصلوں کو اس حوالہ سے بنیادی اور کلیدی مقام حاصل ہے۔ جبکہ پیغامِ پاکستان کے ذریعے اس روایت کو باضابطہ طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کسی طبقہ یا فرد کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے لیے پارلیمنٹ اور عدالتِ عظمیٰ ہی مجاز ادارے ہیں اور تکفیری رجحانات سے معاشرہ میں پھیلنے والی انارکی کو کنٹرول کرنے کے لیے یہ ناگزیر ہے اور اسی سے فرقہ واریت کے عفریت کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ پیغامِ پاکستان کی تیاری اور ترتیب و تدوین کے دوران ہمیں کسی مرحلہ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا ورنہ اسے زیادہ موثر اور جامع بنانے کے لیے ایک

دو تجویزیں ہمارے ذہن میں بھی تھیں جن کا اظہار اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے آئندہ کسی مرحلہ میں ان کی طرف توجہ مبذول ہو جائے۔ ایک یہ کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ کسی مسلم ریاست کی جائز اور مسلمہ حکومت ہی جہاد کا اعلان کرنے کی مجاز ہے اور اس کے بغیر کسی شخص یا گروہ کو اس کا حق حاصل نہیں ہے لیکن کسی بھی اجتماعی فتوی میں عام طور پر مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھا جاتا ہے مگر ہمارے ہاں یہ فتویٰ بار بار جاری کیے جانے اور درست ہونے کے باوجود اس سوال کے حوالہ سے تشنہ چلا آ رہا ہے کہ اگر کسی مسلم ریاست میں غیر ملکی اور غیر مسلم طاقتوں کی مداخلت سے اس کا ریاستی ڈھانچہ اور حکومتی نظام ہی ہیک ہو جائے اور خود وہ حکومت غیر مسلم اور غیر ملکی مداخلت کے ہاتھوں کٹھ پتلی کی حیثیت اختیار کر لے تو پھر اس تسلط اور استعلا کے خلاف مزاحمت اور جہاد کا اعلان کس کی ذمہ داری قرار پائے گا اور اس کی مجاز اتھارٹی کون سی ہوگی؟ مثلاً جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے دہلی کے مغل بادشاہ کو بے اختیار کر کے اسی کے نام پر مالیاتی، انتظامی اور عدالتی نظام کو اپنے کنٹرول میں لینے کا اعلان کیا تھا تو حکومتی اتھارٹی اس طرح ہیک ہو جانے پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس خطہ کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کا اعلان کر دیا تھا اور اس اعلان کو دینی و علمی طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اب خدانخواستہ ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو کسی کو مزاحمت اور جہاد کے اعلان کا اختیار حاصل ہوگا یا سارے معاملات کو سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے کہہ کر قبول کر لیا جائے گا؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ نفاذِ شریعت کے لیے ہتھیار اٹھانے کو بجا طور پر شرعاً حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ شریعت کے نفاذ میں کوتاہی برتنے اور اسے نظر انداز کرتے چلے جانے والوں کے اس عمل کی شرعی حیثیت بھی اس قومی فتوے میں واضح ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ متعلقہ افراد اور اداروں کو نفاذ اسلام کے اقدامات کرنے چاہئیں بلکہ اس بات کا تعین بھی ضروری ہے کہ جو ادارے اور طبقات شرعی و دستوری دونوں حوالوں سے نفاذِ اسلام میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہے ان کی حیثیت کیا ہے اور کیا ان پر بھی کسی فتوے کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، مولانا فضل الرحمان، مولانا مفتی منیب الرحمان، پروفیسر ساجد میر، مولانا عبد المالک، علامہ ریاض حسین نجفی اور دیگر اکابرین نے اپنے خطابات میں اس طرف توجہ دلائی ہے لیکن پیغامِ پاکستان کا متن اس کے بارے میں خاموش ہے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا عبدالمالک کا یہ کہنا بھی قابل توجہ ہے کہ بغاوت کرنے والوں کے خلاف کارروائی اور آپریشن ضروری ہے مگر ان کو اپنے موقف سے رجوع کرنے اور محاذ آرائی سے دستبردار ہونے کا موقع بھی دیا جانا چاہیے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں حوالہ دیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے باغیوں کے خلاف کارروائی کے لیے فوجیں بھیجی تھیں تو پہلی ہدایت یہ تھی کہ انہیں اسلامی ریاست کے سامنے سپر انداز ہونے اور توبہ کرنے کی دعوت دیں، اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر پوری قوت کے ساتھ ان کے خلاف کارروائی کریں۔ بہر حال اب تک جو ہوا سو ہوا، کوئی بھی انسانی عمل کتنا ہی جامع اور مکمل ہو اس میں کوئی نہ کوئی کمی بہر حال رہ جاتی ہے اس لیے ان باتوں کو مستقبل پر چھوڑتے ہوئے ہم پیغامِ پاکستان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی مکمل حمایت و تائید کے ساتھ ہر ممکن عمل و تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

معصوم محسود اور باوردی دہشت گرد

سلیم صافی

خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ نقیب اللہ محسود خوش نصیب بھی نکلا، جو راؤ انوار جیسے وحشی اور ان کے ظالم سرپرستوں کے بھیانک چہروں سے نقاب اتروانے اور اپنے جیسے لاکھوں مظلوموں کی مظلومیت کو آشکار کرنے کے مبارک عمل کا نقیب بن گیا۔ یوں تو ان کے اہل خانہ کی کہانی کم و بیش ہر قبائلی خاندان کی کہانی ہے لیکن نقیب اللہ کا خون سب مظلوم پشتون قبائل سے دنیا کو آگاہ کرنے اور پاکستان کو جھنجھوڑنے کا ذریعہ بن گیا۔ وہ جنوبی وزیرستان کے جنت نظیر علاقے مکین کے بدر خیل قبیلے میں ملک محمد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ باپ اور دو بیٹے گزارے کی زندگی گزار رہے تھے لیکن جب عالمی اور ملکی اسٹیبلشمنٹ کے گندے کھیل کی وجہ سے یہ جنت جیسا علاقہ جہنم بن گیا تو وہ ہجرت پر مجبور ہوگئے۔

وزیرستان سے باہر ٹھکانہ نظر آ رہا تھا اور نہ روزگار کا کوئی وسیلہ موجود تھا تو وہ جنوبی وزیرستان سے شمالی وزیرستان جہاں تب تک آپریشن شروع نہیں ہوا تھا، منتقل ہوگئے۔ آٹھ سال تک وہاں ایک چھوٹے سے کچے مکان میں گزر اوقات کرتے رہے۔ فاقوں کی نوبت آئی تو ملک محمد خان نے بڑے بیٹے کو مزدوری کے لئے ابوظہبی بھیج دیا جبکہ نسیم اللہ المعروف نقیب اللہ محنت مزدوری کے لئے کراچی چلا گیا۔ نسیم اللہ اور نقیب اللہ کی کہانی یوں ہے کہ باپ نے نام نسیم اللہ رکھا تھا لیکن والدہ کسی خاص وجہ اور محبت کی وجہ سے نقیب اللہ پکارتی رہی۔ دستاویزات میں باپ کی مرضی چلی اور ان کا نام نسیم اللہ لکھا گیا لیکن نقیب کو والدہ کا دیا ہوا نام پسند تھا، اس لئے خود کو بھی نقیب اللہ کہتے رہے۔

یوں علاقے میں بھی نقیب اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ روایتی قبائلی رقص اور فنون لطیفہ کے دلدادہ تھے۔ نرم مزاج اس قدر تھے کہ والد کے بقول جب ایک مرتبہ غصے میں آ کر انہوں نے کسی کو گالی نکالی تو نقیب اللہ ان سے خفا ہوئے اور الٹا باپ کو نصیحت کرنے لگے کہ کسی کو گالی دے کر اپنے پاک دامن پر داغ لگانا درست نہیں۔ تعلق ان کا اس علاقے سے تھا جہاں حکیم اللہ محسود کی بھی پیدائش ہوئی لیکن والدین اور دوست گواہی دیتے ہیں کہ نقیب اللہ نے کبھی بندوق ہاتھ میں نہیں اٹھائی۔ کراچی منتقل ہوئے تو ان کا فنون لطیفہ اور ماڈلنگ کا شوق اور بھی مہک گیا اور سوشل میڈیا کو استعمال میں لا کر انہوں نے ایک بڑے حلقے میں ایک خوبرو انسان کے طور پر اپنا تعارف بھی کرا دیا۔ دیگر قبائلیوں کی طرح ان کی شادی بھی والدین نے نسبتاً کم عمر میں کرا دی۔ دو پھول جیسی بیٹیاں (نائلہ اور علینا) اور ایک بیٹا عاطف، اللہ نے ودیعت کئے۔ ایک طرف خرچے بڑھ گئے اور دوسری طرف مزدوری سے تنگ آ گئے تھے اس لئے والد سے مشورہ کیا کہ وہ کراچی میں کپڑے کی چھوٹی سی دکان لگانا چاہتے ہیں۔

بے چارے باپ نے مشکل سے پانچ لاکھ کی شکل میں ساری جمع پونجی ان کے حوالے کر دی جبکہ چند لاکھ روپے ابوظہبی سے بھائی نے بھجوا دیئے اور شاید یہی رقم ان کے قتل کی وجہ بنی۔ 3 جنوری کو ایک روز راؤ انوار کے غنڈوں نے آ کر نقیب اللہ کو ایک ہوٹل سے اٹھا لیا۔ پہلے کئی روز تک نقیب اللہ کو تھانے میں رکھ کر مارا پیٹا گیا اور پھر ایک دن اچانک راؤ انوار

کے وردی میں ملبوس غنڈوں نے تھانہ شاہ لطیف کی حدود میں ایک جعلی پولیس مقابلے میں ان کو بے دردی سے قتل کر کے مشہور کر دیا کہ نقیب اللہ دہشت گرد اور حکیم اللہ محسود کے طالبان کا ساتھی تھا۔

بعض لوگ اس کو لسانی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تھانہ شاہ لطیف کا ایس ایچ او امان اللہ مروت جو ایک پختون ہے راؤ انوار سے بھی پہلے معطل کر دیا گیا ہے کیونکہ نقیب اللہ محسود کو ان کے تھانے کی حدود میں مارا گیا۔ امان اللہ مروت اور ان کا بھائی احسان اللہ مروت ان چار ایس ایچ اوز میں سے ایک ہیں جو راؤ انوار کے خاص کارندے سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بھی انہی کاموں کیلئے مشہور ہیں جو راؤ انوار کی پہچان ہیں اور اسی لئے راؤ انوار ہمیشہ ان دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ ملیر میں ہی رکھتے ہیں۔

بھلا ہو ان کے دوستوں کا جنہوں نے سوشل میڈیا پر ان کی تصاویر دے کر حقیقت بیان کر دی۔ جہاں سے معاملہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا تک نکل آیا۔ سیاست کا ایشو بن گیا اور عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر سندھ حکومت کو بادل نخواستہ معاملے کی تحقیقات کے لئے کمیٹی بنانی پڑ گئی۔ شکر ہے کہ ان دنوں سندھ پولیس کے سربراہ اے ڈی خواجہ آصف زرداری کے چنگل سے آزاد ہیں چنانچہ انہوں نے کمیٹی میں اچھی شہرت کے حامل افسران کو شامل کرا دیا جنہوں نے ابتدائی تحقیقات میں پتہ لگا لیا کہ نقیب اللہ کے بارے میں راؤ انوار اینڈ کمپنی کا کوئی دعویٰ درست نہیں۔

اب راؤ انوار کی کہانی ملاحظہ کیجئے۔ وہ پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہوئے۔ 1996ء میں جنرل نصیر اللہ بابر نے جن پولیس افسران کے ذریعے مہاجروں کے خلاف مظالم کے پہاڑ توڑے ان میں راؤ انوار سر فہرست تھے۔ نصیر اللہ بابر کا راج ختم ہوا اور ایم کیو ایم دوبارہ حکمران بن کر طاقتور بنی تو نصیر اللہ بابر کے آپریشن میں حصہ لینے والے درجنوں پولیس اہلکاروں کو ٹھکانے لگا دیا گیا لیکن چالاک راؤ انوار بچ نکلا اور انہوں نے اپنا تبادلہ پہلے بلوچستان کرا دیا۔

آصف علی زرداری کی قیادت میں پیپلز پارٹی کے دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد راؤ انوار کو ترقی دے کر دوبارہ کراچی لایا گیا اور تب سے اب تک وہ اس ملیر کا انچارج ہے جہاں کمائی کے خاطر خواہ مواقع موجود ہیں۔ وہ پیپلز پارٹی کی قیادت کا خاص بندہ مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ پولیس مقابلوں کے لئے بھی مشہور ہوئے لیکن اب یہ حقائق سامنے آ رہے ہیں کہ بیشتر مقابلے جعلی ہوتے تھے۔ راؤ انوار کا کمال یہ ہے کہ ان کا کوئی اصول اور نظریہ نہیں۔ کرائے کے قاتل کی مانند انہیں طاقتور لوگ اور حلقے جس کام کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پیپلز پارٹی کی قیادت نے ان سے جو کروانا چاہا وہ کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ملک کے طاقتور حلقوں کا کارندہ بھی بن گئے۔

سب سے زیادہ انہوں نے اردو بولنے والوں کے خلاف مظالم ڈھائے اور انہیں جو کہا جاتا رہا، وہ ایم کیو ایم کے خلاف کرتے اور بولتے رہے۔ اتنے بڑے ڈرامہ باز ہیں کہ ایک طبقے کے خلاف مظالم ڈھا کر دوسرے طبقے کے ہیرو بنتے رہے۔ آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کے تو وہ دائمی ہیرو رہے لیکن ایسا وقت بھی آیا کہ انہیں اے این پی اور تحریک انصاف بھی ہیرو قرار دینے لگی۔ گزشتہ سال جب ایم کیو ایم کے دباؤ پر وفاقی حکومت نے راؤ انوار کو معطل کیا تو تحریک انصاف کے عمران خان صاحب ان کے حق میں بولنے لگے۔

وہ کئی بار عدالتوں کے ذریعے معطل کردیئے گئے لیکن ظاہر ہے کہ جب آصف زرداری اور طاقتور حلقوں کی سپورٹ ہو تو پھر اس ملک میں عدالتیں کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ راؤ انوار اس قدر طاقتور اور بدتمیز ہیں کہ اپنے آئی جی اور ڈی آئی جیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ عوام سے زیادہ ان کو اصول پسند پولیس افسران ناپسند کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنی ذات میں پورا مافیا بن گئے اس لئے کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ان کے ضلع میں نجی جیلیں تک قائم تھیں۔ پورے ملیر ڈسٹرکٹ کو انہوں نے اپنے جیسے، کارندے ایس ایچ اوز اور سب انسپکٹر سے بھر دیا تھا۔ پولیس سے باہر بھی اپنے شوٹرز تک رکھے تھے۔ غرض وہ پولیس کی وردی میں دہشت کی کی بڑی علامت بن گئے۔ ان کے کارندے ٹی ٹی پی کی طرح دہشت گرد تھے، بھتہ خور تھے اور سب سے بڑھ کر کرائے کے قاتل تھے لیکن وہ پولیس افسر بنے رہے کیونکہ زرداری جیسے سندھ کے حکمران اور طاقتور اداروں کا مہرہ تھے۔

نقیب اللہ محسود کا بے گناہ اور معصوم خون اس باوردی درندے کے خلاف بیداری کا نقیب بن گیا۔ اس خون کی برکت سے ان کے بھیانک چہرے سے یوں نقاب اتر گیا کہ آج ان کے سرپرستوں سمیت کوئی ان کے حق میں بولنے والا نہیں رہا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اب کی بار راؤ انوار کا معاملہ منطقی انجام تک پہنچ جائے گا؟۔ اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ کیا سندھ کے حکمران اور طاقتور حلقے اپنے لئے کوئی اور راؤ انوار تخلیق نہیں کریں گے؟ راؤ انوار اکیلا نہیں۔ انہوں نے اپنے ماتحت پولیس میں درجنوں مزید راؤ انوار پیدا کر لئے ہیں کیا ان کے خلاف بھی کارروائی ہوگی؟۔

اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کے بھی ہاتھ روکے جائیں گے یا نہیں جو راؤ انوار جیسے لوگوں کی سرپرستی کرتے ہیں؟ تاہم ان سب سوالوں سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ کیا اس کے بعد قبائلی عوام کے ساتھ وہ سلوک بند ہو جائے گا جس کا مظاہرہ ان کے ساتھ اس وقت کراچی سے لاہور تک اور ٹانک سے لے کر پشاور تک روا رکھا جا رہا ہے۔ جس طرح شروع میں عرض کیا تھا کہ نقیب اللہ اور ان کے خاندان کی کہانی کم وبیش ہر قبائلی کی کہانی ہے۔ نقیب اللہ کی گرفتاری کے بعد بھی پشاور سے دو قبائلی نوجوان اٹھائے گئے ہیں اور میں بقائمی ہوش وحواس یہ دعویٰ کر رہا ہوں کہ ملک کے اندر سب سے زیادہ مسنگ پرسنز پختونخوا اور قبائلی علاقوں کے ہیں لیکن ان کا کوئی نام نہیں لے سکتا۔ تاہم میں یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نقیب اللہ محسود کے معاملے پر ملک بھر کے جوانوں اور قبائلی عوام نے جس بیداری اور یکجہتی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ جس قدر قابل تعریف ہے، اس قدر اس معاملے کو لسانی رنگ دینا یا پھر اس پر سیاست چمکانا بھی زیادتی ہے۔ راؤ انوار نے کراچی کے پختونوں کے خلاف بھی بہت مظالم ڈھائے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے مظالم کا سب سے زیادہ نشانہ اردو بولنے والے بنے۔ اسی طرح راؤ انوار کے کارندوں کے طور پر جہاں بعض اردو بولنے والے یا پنجابی شامل ہیں، اسی طرح پختون سب سے زیادہ ہیں۔

خود نقیب اللہ کے معاملے میں بھی پختون ایس ایچ او امان اللہ مروت بھی اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنا کہ راؤ انوار۔ یہ پختون اور غیر پختون کی نہیں بلکہ ظالم اور مظلوم کی جنگ ہے جس میں ہر حوالے سے راؤ انوار اینڈ کمپنی ظالم جبکہ نقیب اللہ مظلوم ہے۔ ہر پیمانے پر راؤ انوار اینڈ کمپنی دہشت گرد جبکہ نقیب اللہ اینڈ کمپنی معصوم اور امن کے نقیب ہیں۔ لیکن یہ ملک بھی کس ڈگر پر جا رہا ہے کہ جہاں راؤ انوار جیسے دہشت پھیلانے والے پولیس افسران ہیرو بنے پھرتے ہیں اور نقیب اللہ محسود جیسے دہشت گردی کے شکار رہیرے اپنے علاقے، زبان یا لمبے بالوں کی وجہ سے دہشت گرد باور کرائے جاتے ہیں۔

سیکولر مغربی ممالک کی جنسی درندگی اور پاکستان پر مغرب زدگان کا حملہ

شاہنواز فاروقی

قصور میں سات سالہ زینب کے ساتھ جنسی درندگی اور المناک قتل نے پورے ملک میں کہرام برپا کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں پورے معاشرے کا ردِ عمل فطری ہے۔ بچوں کے ساتھ جنسی درندگی کسی بھی معاشرے کے لیے شرمناک ہے، لیکن ایک ایسے معاشرے کے لیے اس کی شرمناکی اور بڑھ جاتی ہے جو خود کو مسلم معاشرہ کہتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو زینب کے ساتھ ہونے والی واردات کی المناکی اور بڑھ جاتی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں معاشرے کے ''فطری ردعمل'' کا یہ پہلو بجائے خود شرمناک اور ہولناک ہے کہ ہمارے معاشرے کا ہر طبقہ صرف اس چیز کو اپنے شعور میں رجسٹر کر رہا ہے جو ذرائع ابلاغ میں موجود ہو۔ زینب سے قبل قصور ہی میں دس بچیوں پر جنسی حملے ہو چکے ہیں مگر کسی بھی وجہ سے چونکہ یہ حملے ذرائع ابلاغ بالخصوص ٹیلی وژن کی اسکرین پر جگہ نہ پا سکے اس لیے ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر تھا۔ لیکن چونکہ معصوم اور مظلوم زینب کا واقعہ کسی بھی باعث ٹیلی وژن کی اسکرین پر آ گیا اس لیے اس حوالے سے ملک میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس صورت حال کو دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ پوری قوم کے حافظے، شعور، عمل اور ردِعمل کی ہر صورت ''ٹی وی مرکز'' ہو گئی ہے۔ جو کچھ ٹی وی پر ہے وہ حاضر و موجود بھی ہے، اور اہم اور بڑا بھی...... لیکن جو ٹی وی پر موجود نہیں اس کا ''ہونا'' بھی مشتبہ ہے خواہ وہ کوئی خبر ہو، یا کوئی واقعہ...... خواہ وہ کوئی شخص ہو یا فکر و عمل کی کوئی صورت۔ اس صورت حال نے معاشرے کی ذہنی و نفسیاتی اور علمی و اخلاقی حالت کے بارے میں بنیادی سوالات اٹھا دیے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مغرب میں ٹیلی وژن کو بچوں کے تناظر میں Electronic Parent کہا جاتا تھا، مگر بدقسمتی سے اب ٹیلی وژن پوری دنیا میں بڑی عمر کے لوگوں کا بھی باپ یا Parent بن گیا ہے۔ یہ ''باپ'' اب بتاتا ہے کہ معاشرے میں کیا موجود ہے اور کیا موجود نہیں؟ معاشرے کو کیا سوچنا ہے اور کیا نہیں سوچنا ہے، کیا کہنا ہے، کیا نہیں کہنا ہے؟ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے؟ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ٹیلی وژن باپ کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اسے ''الیکٹرانک پیر'' یا ''الیکٹرانک شیخ'' کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ زینب کی المناک کہانی کا دوسرا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ زینب کے واقعے کے عام ہوتے ہی ''مغرب زدگان'' کی ایک بڑی تعداد اپنے بلوں سے نکل آئی اور اس نے یہ راگ الاپنا شروع کر دیا کہ اسکولوں میں جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنائے بغیر ایسے سانحات کو رونما ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اطلاعات کی وزیرِ مملکت مریم اورنگ زیب نے فرمایا کہ جب بھی جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اُس پر مذہبی تناظر میں اعتراضات کیے جانے لگتے ہیں۔ جیو کے شاہ زیب خانزادہ نے اس سلسلے میں ایک پورا پروگرام کر ڈالا اور انھوں نے بھارتی اداکار عامر خان کے ایک

پروگرام کو نمونے طور پر پیش کیا۔ اداکارہ ماہرہ خان، اداکار فیصل قریشی اور بالخصوص گلوکار شہزاد رائے نے اس ضمن میں کئی ٹی وی چینلز پر خاصا شور مچایا اور کہا کہ جنسی تعلیم اسکولوں کے نصاب کا حصہ نہیں ہوگی تو یہی ہوگا۔ پوری مسلم دنیا جانتی ہے کہ جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنانا امریکہ اور یورپ کا ایجنڈا ہے۔ سیکولر اور لبرل عناصر مذہبی لوگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مذہب کے نام پر سیاست کرتے ہیں۔ مگر دیکھا جائے تو مغرب زدگان اس وقت پاکستان میں جنسی درندگی اور المناک قتل کے ایک واقعے پر پاکستان میں مغرب کے سیکولر اور لبرل ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سیاسی جماعتوں پر کیا، سپریم کورٹ تک پر اثر انداز ہونے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس ضمن میں جیو سمیت کئی چینل متحرک کردار ادا کر رہے ہیں۔ جنسی درندگی کی طرح یہ ''ابلاغی درندگی'' کی ایک مثال ہے۔

مسلم معاشرے میں جنسی درندگی کا ایک واقعہ بھی دل دہلا دینے والا ہے۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ اور اس کی روک تھام کے لیے اسلام کی روشنی میں جو کچھ ممکن ہو، کیا جانا چاہیے اور اس سلسلے میں پورے معاشرے کو کردار ادا کرنا چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے ''مغرب زدگان'' کا گروہ زینب کے واقعے کو جس طرح پیش کر رہا ہے اور اس سلسلے میں مغرب کی جنسی تعلیم کو جس طرح اس مسئلے کا ''علاج'' باور کرا رہا ہے اُس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مغرب کے سیکولر اور لبرل ممالک نہ صرف یہ کہ جنسی درندگی سے پاک ہیں بلکہ انھوں نے جنسی تعلیم وغیرہ کے ذریعے اس حوالے سے خود کو ''جنت'' بنالیا ہے، اس کے برعکس تاثر دیا جارہا ہے کہ پاکستان جیسا مذہبی ملک جنسی جرائم کی ''آماجگاہ'' بنا ہوا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکستان مغربی ممالک کی طرح ''سیکولر اور لبرل'' نہیں۔ لیکن کیا واقعتاً مغرب کے سیکولر اور لبرل ممالک خواتین اور بچوں کے تحفظ کے ''قلعے'' اور ان کی ''جنت'' ہیں؟ اور کیا یہ ممالک جنسی درندوں کا ''جہنم'' بنے ہوئے ہیں؟ اور ''جنسی تعلیم'' نے ان ممالک میں ''انقلاب'' برپا کیا ہوا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

امریکہ، سیکولر ازم اور لبرل ازم کی ایک جنت ہے۔ امریکہ کو دنیا کی سب سے ''مضبوط جمہوریت'' کہا جاتا ہے۔ امریکہ دنیا میں ''انسانی حقوق'' کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ امریکی ''عدالتی نظام'' بے مثال ہے۔ امریکہ کی ''پولیس'' کا کوئی جواب ہی نہیں۔ امریکہ کے ذرائع ابلاغ امریکی عوام کی آزادی اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے ''محافظ'' ہیں، تاہم امریکہ کے National Network Rape for Abuse, and Incest (NNIR) کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں 1998ء سے اب تک ''Rape'' کے ''صرف'' ایک کروڑ 77 لاکھ واقعات رپوٹ ہوئے ہیں۔ ان میں سے 99 فیصد واقعات کے ذمے داروں کو سزا نہیں دی جاسکی۔ عصمت دری کا نشانہ بننے والی خواتین میں 13 فیصد نے خودکشی کر لی۔

Rape Victims (درندگی کا شکار افراد) میں 90 فیصد نوجوان خواتین ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال Rape کے 3 لاکھ 21 ہزار 500 واقعات ہوتے ہیں۔ واقعات میں 10 میں سے 7 افراد کو معلوم

ہوتا ہے کہ انھیں Rape کرنے والا کون ہے۔

امریکہ کی ایک ''لبرل'' اخباری و تجزیاتی ویب سائٹ کا نام Huff Post ہے۔ اس ویب سائٹ کی خواتین امور سے متعلق ایڈیٹر Alanna Vagianos کے ایک مضمون

"30 Alarming statistics that show the reality of sexual violence"

کے مطابق امریکہ میں ہر 98 سیکنڈ میں کسی نہ کسی پر ایک ''جنسی حملہ'' ہوتا ہے۔ مضمون کے مطابق اس طرح امریکہ میں ''روزانہ'' 570 افراد جنسی حملوں کا شکار ہوتے ہیں۔ مذکورہ مضمون 5 مئی 2017ء کو ویب سائٹ پر پوسٹ ہوا۔ یہ ویب سائٹ نیویارک سٹی سے تعلق رکھتی ہے۔

سیکولرازم اور لبرل ازم کی جنت امریکہ میں بچوں پر جنسی حملوں کی صورت حال کیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ امریکہ کے محکمۂ انصاف کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف 2012ء کے دوران امریکہ میں 62 ہزار 939 بچے جنسی حملوں کا نشانہ بنے۔ ان میں سے 85 فیصد بچوں نے حملوں کو رپورٹ ہی نہیں کیا۔ ان میں سے تیس سے چالیس فیصد بچوں کو خاندان کے کسی فرد نے Abuse کیا ہے۔ امریکہ کے محکمۂ انصاف کی رپورٹ کے مطابق 1998ء سے اب تک امریکہ میں 18 لاکھ ''نوعمر'' جنسی حملوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔

امریکی فوج امریکہ کی اصل قوت ہے۔ امریکی فوج کی تعلیم و تربیت مثالی ہے۔ اس کے نظم و ضبط کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ 28 مئی 2014ء کے نیویارک ٹائمز میں شائع ہونے والی رپورٹ میں امریکہ کے محکمہ دفاع پنٹا گون کے ایک سروے کے حوالے سے انکشاف کیا گیا ہے کہ صرف 2012ء میں امریکی فوج میں 26 ہزار ''خواتین و حضرات'' پر جنسی حملے ہوئے۔ ان میں سے صرف 3374 رپورٹ ہوئے۔ 2013ء کی پنٹا گون کی رپورٹ کے مطابق صرف 5061 فوجیوں کے جنسی حملے رپورٹ کیے گئے۔ ان میں سے صرف 484 حملوں کے سلسلے میں مقدمات قائم ہوئے اور صرف 376 افراد کو سزائیں ہوئیں۔ ہیومن رائٹس واچ کی 2016ء کی رپورٹ کے مطابق جن فوجیوں نے جنسی حملوں کے سلسلے میں شکایات درج کرائیں انھیں بعد ازاں Personality Disorder اور اسی طرح کے الزامات کے تحت ملازمیوں سے فارغ کر دیا گیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ جنسی درندوں کی جنت اور جنسی درندگی کا شکار ہونے والی خواتین اور بچوں کا جہنم نظر آتا ہے۔ پاکستان کے ''مغرب زدگان'' کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ امریکہ کے اسکولوں میں 1920ء سے کسی نہ کسی قسم کی اُس ''جنسی تعلیم'' کا اہتمام کیا جا رہا ہے جسے پاکستان کے کئی ٹیلی ویژن چینلز کے مالکان، اینکرز، اداکار اور اداکارائیں پاکستان کے تعلیمی اداروں پر مسلط کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ یہاں کہنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ امریکہ ایک مثالی سیکولر اور لبرل ریاست ہے۔ اس کا تعلیمی نظام بہترین ہے، اس کی معیشت شاندار ہے، اس کی سماجیات پر ساری دنیا کی رال ٹپک رہی ہے، اس کی پولیس اور نظامِ انصاف کی مثالیں دی جاتی ہیں، مگر اس کے

باوجود امریکہ میں جنسی حملوں کا سیلاب آیا ہوا ہے اور ہر 98 سیکنڈ میں وہاں کوئی نہ کوئی عورت، بچہ یا مرد جنسی حملوں کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ کے ذرائع ابلاغ پر ہر وقت جنسی حملے زیرِ بحث ہونے چاہئیں، مگر امریکہ میں ان کا ''ذکر'' تک نہیں ہوتا، مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جہاں 60 فیصد آبادی کی مذہبی یا عام تعلیم کا سرے سے کوئی بندوبست ہی نہیں، جہاں کا تعلیمی نظام فرسودہ ہے، جہاں درجنوں بڑے معاشی اور سماجی مسائل اور محرومی کی ہولناک نفسیات موجود ہے، وہاں مغرب زدگان چاہ رہے ہیں کہ ایک یا چند واقعات چوبیس گھنٹے ذرائع ابلاغ پر چھائے رہیں، یہاں تک کہ ایک واقعے کی آڑ میں وہ جنسی تعلیم اسلامی جمہوریہ پاکستان پر مسلط کر دی جائے جو 1920ء سے امریکہ میں غیر مؤثر بلکہ بچوں میں جنسی انحرافات کو بڑھانے اور معاشرے کو ''جنسی سیلاب'' میں ''غرق'' کرنے کے حوالے سے ''معاونت'' کر رہی ہے۔ امریکہ کی National Research Council کی 2013ء کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں جنسی درندگی کے سیلاب کو دیکھتے ہوئے Rape کے واقعات Under Reporting کا شکار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ Iowa Law Review میں شائع ہونے والے C.R Young کے ایک مضمون کے مطابق امریکہ میں ''عصمت دری'' کے واقعات کے حوالے سے دروغ گوئی کا مقصد یہ ''دھوکا'' تخلیق کرنا ہے کہ امریکہ میں تشدد آمیز جرائم پر قابو پانے میں کامیابی ہو رہی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کے تمام مغرب زدگان سے عرض ہے کہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ وہ پاکستان میں پیدا ہوئے اور ان کا بچپن اور جوانی پاکستان میں گزری۔ ان کا بچپن اور جوانی خدانخواستہ امریکہ میں بسر ہوئی ہوتی تو امریکہ میں جنسی درندگی کے سیلاب کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے مغرب زدگان امریکہ میں یا تو اب تک جنسی اعتبار سے ''Abused'' ہوتے یا ''Abuser''۔ امریکہ میں 1920ء سے کسی نہ کسی صورت میں موجود جنسی تعلیم بھی انھیں تحفظ مہیا نہ کر پاتی۔

لیکن آپ امریکہ کے ''ذکرِ خیر'' سے یہ نہ سمجھیں کہ جنسی درندگی کا سیلاب صرف ''امریکہ مرکز'' یا America Centric ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ فرانس یورپ کا سب سے سیکولر اور لبرل ملک ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف ساڑھے چھے کروڑ آبادی والے ملک فرانس میں ہر سال 75 ہزار Rape Cases ہوتے ہیں۔ تاہم 2012ء کی رپورٹ کے مطابق 2012ء میں ان میں سے صرف 1293 کیس رپورٹ ہوئے۔ 2014ء کی ایک رپورٹ کے مطابق فرانس میں عصمت دری کے واقعات میں سے 5 سے 7 ہزار واقعات وہ ہوتے ہیں جنہیں Gang Rape کہا جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایسے ہولناک واقعات کو فرانس میں ''Pass arounds'' کہا جاتا ہے۔ مغرب زدگان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فرانس میں 1973ء سے جنسی تعلیم اسکولوں کے نصاب کا حصہ ہے۔

آیئے ''برطانیہ بہادر'' پر بھی ایک ''سرسری نظر'' ڈال لیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے صرف دو علاقوں یعنی England اور Wales میں ہر سال عصمت دری کے 97 ہزار واقعات ہوتے ہیں۔ ان میں سے

75 ہزار خواتین اور 12 ہزار مرد ہوتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ برطانیہ کے صرف دو علاقوں میں ہر گھنٹے میں عصمت دری کے 11 واقعات رونما ہوتے ہیں۔رپورٹ کے مطابق عصمت دری کے صرف 15 فیصد واقعات پولیس ریکارڈ کا حصہ بنتے ہیں۔برطانیہ میں مارچ 2015ء سے جنسی تعلیم کا اہتمام ہو رہا ہے۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو صرف امریکہ نہیں، مغرب کے تمام سیکولر اور لبرل ممالک جنسی درندگی کے سیلاب کی زد میں ہیں۔کہتے ہیں کہ دنیا Globalize ہو گئی ہے، چنانچہ کیا ہی اچھا ہو کہ پاکستان کے نیوز چینلز اور شاہ زیب خانزادہ جیسے اینکر مغرب میں پیش آنے والے ایسے لرزہ خیز دو چار درجن نہیں تو دو چار واقعات ہی کا تذکرہ کر دیتے۔

ہمارے مغرب زدہ ٹی وی چینلز اور مغرب زدہ اینکرز اور اداکار وغیرہ معاشرے میں جنسی درندگی پر بڑے ''پریشان'' ہیں۔ہونا بھی چاہیے۔یہ لوگ بھی آخر معاشرے کا حصہ ہیں۔یہ عناصر معاشرے میں ہونے والے جنسی درندگی کو تو دیکھ رہے ہیں مگر خود نام نہاد Entertainment Industry اور نام نہاد Fashion Industry میں جو ہولناک جنسی درندگی ہو رہی ہے ہمارے ذرائع ابلاغ، ہمارے ٹی وی چینلز، ہمارے اینکرز اور ہمارے اداکار اور اداکارائیں اس کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ڈیلی ڈان کراچی نے 4 نومبر 2017ء کی اشاعت میں ہالی ووڈ کی Me Too مہم سے متاثر ہو کر ایک سطحی مگر ہولناک رپورٹ شائع کی ہے۔ملک کی معروف اداکارہ بشریٰ انصاری نے ڈان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے اداکاروں اور اداکاراؤں کو جانتی ہیں جو چند سال میں ''امیر'' ہو گئے۔بشریٰ انصاری کے بقول ایسی ''امارت'' صرف اداکاری سے ہونے والی ''آمدنی'' کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔پی ٹی وی کی معروف ڈائریکٹر اور اداکارہ ساحرہ کاظمی نے کہا کہ وہ دیکھتی تھیں کہ نئی نوجوان اداکارائیں گھنٹوں ٹی وی کے ڈائریکٹرز اور معروف اداکاروں کے ساتھ کمروں میں بیٹھی ہوئی ہیں اور پھر اچانک وہ لڑکیاں ڈراموں میں اہم کردار ادا کرتی نظر آتی تھیں۔ساحرہ کاظمی نے کا کہ یہ ماضی میں بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہو رہا ہے۔مشہور فلم ڈائریکٹر سید نور نے کہا کہ وہ ایسے بہت سے اداکاروں کو جانتے ہیں جو کسی کا بستر گرم کرنے یا ان کے الفاظ میں Casting Couch کا برا نہیں مانتے۔ان کے بقول کچھ لوگ ایک رات میں امیر اور مشہور ہو جاتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی کے ''کچھ'' اور ذرائع ہیں۔Event Organizer فریحہ الطاف نے بتایا کہ انھیں اچانک Establish Designer سے کال موصول ہوتی ہے اور وہ کسی ''ماڈل'' کو شو کا حصہ بنانے کی فرمائش کر دیتے ہیں۔ان کے بقول اس دائرے میں Male Models کو خواتین سے زیادہ ''ہراسگی'' کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔Stylist صائم راشد نے کہا کہ ''ماڈلنگ'' میں اہلیت وصلاحیت یا Telent کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔اہمیت ہے تو اس بات کی کہ آپ کسی کو ''خوش'' کر سکتے ہیں یا نہیں۔صائم کے بقول کئی اچھے گھرانوں کے مرد ماڈلز محض اس لیے یہ پیشہ چھوڑ کر چلے گئے کہ وہ، وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے جو اُن سے کہا جا رہا تھا۔ڈیزائنر ماہین خان نے کہا کہ شو بزنس میں Career, Sponsorship اور Award Ceremonies وغیرہ

کسی نہ کسی ''توہین آمیزی'' پر کھڑی ہوتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ نہیں چاہیں گی کہ ان کی اولاد میں سے کوئی فیشن انڈسٹری میں آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام شہادتیں ''ملفوف الفاظ'' میں انٹرٹینمنٹ اور فیشن انڈسٹری میں جاری ''جنسی درندگی'' کے واقعات کا بیان ہیں۔ ڈان کی رپورٹ کو شائع ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی جیو، کسی اے آر وائے، کسی آج، کسی ڈان ٹی وی، کسی شاہ زیب خانزادہ، کسی ماہرہ خان، کسی فیصل قریشی، یہاں تک کہ کسی شہزاد رائے کو اس سلسلے میں ''احتجاج'' یا ''مظاہرے'' یا ''ڈسکشن پروگرام'' کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیشن انڈسٹری اور انٹرٹینمنٹ انڈسٹری ''سیکولر''، ''لبرل'' اور ''روشن خیال'' لوگوں کے مراکز ہیں۔ یعنی یہ ادارے خود مغرب زدگی کی علامت ہیں۔ ظاہر ہے کہ مغرب زدگان خود اپنی جیسی مخلوق کے چہرے سے کیوں پردہ اٹھانے لگے؟ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب زدگان معصوم اور مظلوم زینب کے سلسلے میں جو ماتم کر رہے ہیں اس میں کوئی اخلاص نہیں، اس میں کوئی جذبہ نہیں، اس میں کوئی پاکستانیت نہیں۔ یہ ماتم صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان پر گندگی اچھالنے کے لیے ہے، صرف مغرب کا ایجنڈا آگے بڑھانے کے لیے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر پاکستان میں جنسی درندگی کے واقعات کیوں ہو رہے ہیں؟

بلاشبہ پاکستان میں جنسی درندگی کے سلسلے میں امریکہ اور یورپ میں برپا جنسی درندگی کے سیلاب سے ہزاروں میل دور کھڑا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستانی معاشرے کی اخلاقی حالت خراب ہے اور مزید خراب ہو رہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری آبادی کا 60 سے 70 فیصد حصہ کسی بھی مذہبی اور اخلاقی تعلیم و تربیت سے محروم ہے۔ جن لوگوں کو کسی نہ کسی قسم کی مذہبی، اخلاقی یا عام تعلیم میسر ہے وہ جزوی ہے۔ اس سلسلے کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری مذہبیت ظاہر پر تو اثر انداز ہے مگر ''باطن'' پر اثر انداز نہیں۔ تہذیبِ نفس و تزکیہ نفس کا خیال تک اکثر لوگوں کے دل سے نکل گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری تعلیم و تربیت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے جنھیں خود تعلیم و تربیت اور تزکیے کی ضرورت ہے۔ ہم خواہ کچھ کہیں، ہمارا تصورِ انسان بدل گیا ہے۔ ہمارا مطلوب اب ''اچھا انسان'' نہیں، دنیاوی معنوں میں ''کامیاب انسان'' ہے۔ کامیاب انسان اپنی اصل میں ایک مغربی یا سیکولر تصور ہے۔ رہی سہی کسر ذرائع ابلاغ نے پوری کر دی ہے۔ انھوں نے معاشرے میں عورت کو صرف جنس کی علامت یا Sex Symbol کے طور پر پیش کیا ہوا ہے۔ ہمارے فلمیں، ہمارے ڈرامے، ہمارے اشتہارات، ہماری موسیقی غرضیکہ ہر چیز پر Sex Symbol کا غلبہ ہے۔ اس صورت حال نے ایسے کروڑوں مردوں کی جنسی بھوک کو بہت بڑھا دیا ہے جو روحانی، اخلاقی، تہذیبی، نفسیاتی، جذباتی اور ذہنی طور پر کمزور ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ معاشرے میں دولت کا جنون پیدا کر کے اور معاشرے کو دولت کے مظاہر سے بھر کر غریبوں اور مفلسوں سے یہ توقع کی جائے کہ وہ پیسہ کمانے کے لیے چوری نہیں کریں گے، ڈاکے نہیں ڈالیں گے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ ملاحظہ کیجیے کہ ذرائع ابلاغ میں کئی دن تک معصوم اور مظلوم زینب کے ساتھ ہونے والی جنسی درندگی اور اس کا سفاکانہ قتل زیرِ بحث رہا مگر کسی سیاسی رہنما، کسی اخبار، کسی ٹیلی وژن اور کسی دانش ور نے یہ نہ کہا کہ اس

صورت حال کا ذمے دار ہمارا حکمران طبقہ ہے جس نے معاشرے کی مذہبی، اخلاقی، تہذیبی اور تعلیمی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے گزشتہ 70 سال سے کچھ نہ کیا۔ کسی نے یہ نہ کہا کہ ہماری مذہبیت صرف ظاہر کو کیوں مذہبی بنا رہی ہے؟ وہ ہمارے باطن کو کیوں نہیں بدل رہی؟ کسی نے یہ نہ کہا کہ فلموں، انٹرنیٹ اور ٹیلی ویژن چینلز نے پورے معاشرے میں جنسی انارکی پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''نفسِ امّارہ'' سے اٹے ہوئے معاشرے میں ''نفسِ لوّامہ'' اور ''نفسِ مطمئنہ'' کے مظاہر کیسے نمودار ہوں گے؟ آخر کیکر کے درخت سے انگور توڑنے کی آرزو کہاں کی صحیح الدماغی ہے؟ بلاشبہ انسانوں کی ایک قسم ایسی ہے جو صرف ''خوف کی زبان'' سمجھتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے معاشرے کے ''نظامِ انصاف'' کو درست کرنے اور مجرموں کو بروقت سخت سزائیں دینے کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے سیاست دانوں، ہمارے دانشوروں اور ہمارے ذرائع ابلاغ میں سے کسی نے ان معاملات پر غور کر کے نہیں دیا۔ غور نہیں کیا تو ان نکات کا تذکرہ کون کرتا! ہوا صرف یہ ہے کہ ٹیلی ویژن چینلز نے رائے سازوں کے ذہن، ان کے تجزیے کی صلاحیت اور رائے کو اغوا کر لیا اور پورا معاشرہ مغرب زدگان کی زبان بولتا ہوا نظر آیا۔

بدقسمتی سے اس سلسلے میں معاشرے کے اہم طبقات کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ اصل کھیل کیا چل رہا ہے؟ اس سلسلے میں بعض چیزیں مریم اورنگ زیب، شہزاد رائے، شاہ زیب خانزادہ اور کئی چینلز کی ''خصوصی نشریات'' کے حوالے سے طشت از بام ہو چکی ہیں، لیکن اس سلسلے میں سابق سوشلسٹ دانشور اور میاں نواز شریف کے غیر اعلانیہ مشیر وجاہت مسعود نے 13 جنوری 2018ء کے جنگ میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں اصل بات کہہ دی ہے۔ وجاہت مسعود نے کیا لکھا، انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

''یہ پہلی نسل ہے جسے پوسٹ پِل (Post Pill) اور پوسٹ پورن (Post Porn) نسل کہنا چاہیے۔ یہ سوچنا خام خیالی ہے کہ ہمارے نوجوان آج کی دنیا کے ''حقائق'' سے بے خبر ہیں۔ موبائل فون نے ہمارے نچلے طبقے کی ''مفروضہ اقدار'' کی قبا تار تار کر ڈالی ہے...... ہمیں اپنی جنسی اقدار پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کر کے نئی حدود متعین کرنے کی ضرورت ہے...... تقدیسِ مشرق کا افسانہ پامال ہو چکا ہے۔ اس افسانے کے ثنا خواں طبقے سے معاشرتی ویٹو کا حق واپس لینا آج کے پاکستان کا تقاضا ہے، اس سے ہمارے بچے زیادہ محفوظ ہو سکیں گے۔''

جس طرح زلزلے یا سیلاب آنے سے ہمارے حکمران طبقوں کے افراد یہ سوچ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بیرونی امداد آئے گی اور مال بٹورنے کے امکانات پیدا ہوں گے، اسی طرح وجاہت مسعود اس بات پر جھوم رہے ہیں کہ پاکستان میں بھی جنسی انحرافات کا سیلاب آ گیا ہے یا آنے والا ہے، اب دیکھیں گے کہ مذہب اور اس کی اقدار کیسے زندہ رہیں گی۔ جو قارئین وجاہت مسعود کی اصطلاحوں Post Pill اور Post Porn کا مطلب نہ سمجھے ہوں ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ Post Pill معاشرے سے مراد وہ معاشرہ ہے، جس میں جنسی تعلقات اس لیے آسان ہو گئے ہیں کہ مانعِ حمل گولیاں

''ایجاد'' ہوچکی ہیں اور اب زنا کے نتیجے میں حمل رہنے کے امکانات ختم یا بہت کم ہوگئے ہیں، چنانچہ نوجوان پورے بے خوفی کے ساتھ زنا کرسکتے ہیں۔ Post Porn کا مطلب یہ ہے کہ عریاں فلموں یا Pornography کو عام ہوئے عرصہ ہوگیا ہے اور ان فلموں کو دیکھ کر ایک ایسی نسل ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے جو جنس کے سلسلے میں مذہبی اخلاقیات کی قائل ہی نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ہولناک سانحہ ہے مگر وجاہت مسعود اس سانحے پر مسرور ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ اب ہمیں جنسی اقدار کے سلسلے میں نئی حدود مقرر کرنی ہوں گی، مطلب یہ کہ اب ہمیں آزاد جنسی تعلقات کو قبول کرنا ہوگا، بالکل اسی طرح جس طرح ''ترقی یافتہ'' اہلِ مغرب نے کیا۔ اس سے اگلے مرحلے پر ہمیں ہم جنس پرستی کو بھی قبول کرنا ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ مظلوم زینب کی آڑ میں برپا ہونے والی مغرب زدگان کی ''آہ وبکا'' کا اصل ایجنڈا یہ ہے۔ دیکھا جائے تو وجاہت مسعود اور ان جیسے اسلام بیزار لوگ کہہ رہے ہیں کہ اب اسلام کی ''مطلق اخلاقیات'' یا Absolute Morality نہیں چلے گی۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ جو اخلاقیات مطلق نہ ہو وہ اخلاقیات کی پیروڈی ہے۔ دوسری بات یہ کہ وجاہت مسعود کہہ رہے ہیں کہ اگر معاشرے کو ''سرطان'' کا مرض لاحق ہوگیا ہے تو اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ ''سرطان زدہ'' یعنی Post Pill اور Post Porn معاشرہ ایک ''حقیقت'' ہے، بس اس کو مانو، قبول کرو، اپناؤ، بلکہ اس معاشرے کے ظہور کی خوشی مناؤ، اس سرطان کے علاج کی کوشش نہ کرو۔ ارے صاحب! آدمی سرطان کے آخری اسٹیج پر بھی ہوتا ہے تو اس سے محبت کرنے والے تب بھی سرطان سے جنگ کرتے ہیں، اس کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے۔ وجاہت مسعود کے اصول کو تسلیم کرلیا جائے تو ہمارے معاشرے کو چوری، ڈاکے، قتل، اغواء، منشیات کی لت، یہاں تک کہ طاقتور کے ظلم، جبر اور غلامی کو بھی قبول کرلینا چاہیے، اس لیے کہ یہ تمام چیزیں بھی ''حقائق'' کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں کہنے کی بات یہ بھی ہے کہ وجاہت مسعود نے اسلام کو سوشلزم سمجھ لیا ہے جو بے چارہ 70 سال سے زیادہ نہ جی سکا۔ اسلام ایک ابدی حقیقت ہے۔ مسلمانوں کی روحانی، اخلاقی اور تہذیبی قوت کمزور تو پڑتی رہی ہے مگر فنا کبھی نہیں ہوئی۔ کیا وجاہت مسعود نہیں دیکھ رہے کہ اسلام مغرب کے جنس کے سیلاب میں ڈوبے ہوئے Post Pill اور Post Porn معاشروں میں لاکھوں مقامی امریکیوں اور یورپی باشندوں کو مسلمان کرچکا ہے۔ یہ ''کمال'' اس وقت ہو رہا ہے جب مسلمانوں کے حقیقی نمائندوں کے پاس نہ سیاسی اقتدار ہے، نہ معاشی طاقت ہے، نہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی قوت ہے، نہ ابلاغی ذرائع کا سرمایا ہے۔ چنانچہ اسلام اور اس کے پیروکار وجاہت مسعود اور ان جیسی ذہنیت کے حامل لوگوں کے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔ ہمیں حیرت ہے کہ معاشرے کے مذہبی طبقات نہ مغرب کے مقامی آلۂ کاروں کے ایجنڈے کو سمجھ رہے اور نہ وہ معاشرے میں جنسی انحرافات کے سیلاب کو روکنے کے لیے کچھ کررہے ہیں۔ مذہبی طبقات سب کو خدا اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ ہم مذہبی طبقات اور نمائندوں کو خبردار کرتے ہیں کہ آپ مذہب کے بڑے بڑے دعوے لے کر کھڑے ہیں، آپ ان دعووں کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو آپ پر خدا دنیا میں ہی نہیں آخرت میں بھی ایسی ذلت مسلط کردے گا جو عام لوگوں پر مسلط کی جانے والی ذلت سے کہیں زیادہ ہوگی۔ (مطبوعہ: فرائیڈے سپیشل، کراچی ۱۹ تا ۲۵ جنوری ۲۰۱۸ء)

اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تنہا یہی حقیقی بہن تھیں، ان کی والدہ زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھیں جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ۳۵ سال چھوٹی تھیں۔

ہجرت سے پہلے ان کا نکاح حضرت خنیسؓ بن حذافہ سہمی نامی ایک صحابی سے ہوا تھا اور ان ہی کے ساتھ انھوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھیں۔ حضرت خنیسؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور راجح قول کے مطابق بدر ہی میں ان کے کاری زخم آئے جن سے وہ جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد انہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ حضرت خنیسؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی فکر ہوئی۔ یہ غزوۂ بدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اسی موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی۔ انھوں نے غور کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ اور چند دن کے بعد معذرت کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہی پیش کش کی، مگر انھوں نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے ان کی خاموشی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ناگوار گزری، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے لیے پیام دیا اور جب یہ نکاح ہو گیا تب حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کی خواہش کی تھی اور میں خاموش رہا تھا تو تم اس سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اصل میں قصہ یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لینے کا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمھاری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات ابھی راز میں رکھی تھی، میں اس کو ظاہر کر دوں۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ میرے علم میں نہ ہوتا تو میں ضرور تمھاری پیش کش قبول کر لیتا۔ یہ ساری تفصیلات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہؓ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی روایت سے موجود ہیں۔ حدیث کی ایک اور کتاب مسند ابویعلیٰ میں اتنی بات کا اور اضافہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیش کش قبول کرنے سے معذرت ظاہر کر دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا شکوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حفصہ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر دے گا اور عثمان کو تمھاری بیٹی حفصہ سے بہتر بیوی۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہی کی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا اور حضرت حفصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف ملا۔

حضرت حفصہ کے مناقب میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں قرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کا جو نسخہ مکمل شکل میں مرتّب و مدوّن کیا گیا تھا، وہ نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہی کی تحویل میں رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب ضرورت پڑی کہ قرآن مجید کے یکساں نسخے مرکز خلافت ہی سے مدون و مرتب کرا کے عالم اسلام میں بھیجے جائیں تو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ نسخہ کو بنیاد مانا گیا تھا۔ عہدِ فاروقی کے بعد اس نسخہ کی حفاظت کا شرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آنا یقیناً ان کی قابل ذکر فضیلت ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر قریباً ۶۳ سال تھی۔ ان تعارفی وتمہیدی کلمات کے بعد وہ حدیث پڑھیے جس میں اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرائیل کی زبانی حضرت حفصہ کے بارے میں ایک شہادت نقل ہوئی ہے اور اسی کی وجہ سے واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کے فضائل میں تنہا یہی حدیث بالکل کافی ہے۔

عَنْ قَیْسِ ابْنِ زَیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ طَلَّقَھَا تَطْلِیْقَۃً ثُمَّ اِرْتَجَعَھَا وَ ذَالِکَ اَنَّ جِبْرَائِیْلَ قَالَ لَہٗ اِرْجِعْ حَفْصَۃَ فَاِنَّھَا صَوَّامَۃٌ قَوَّامَۃٌ وَ اِنَّھَا زَوْجَتُکَ فِی الْجَنَّۃِ.

ترجمہ: قیس ابن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ طلاق دی پھر رجوع فرمالیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت جرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رجعت کرلیں اور اس لیے کہ وہ بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کی یہاں حضرت حفصہؓ کی قدر ومنزلت اور مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ حدیث بالکل کافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی تو اللہ نے نہ صرف حضرت جبرائیل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رجعت کرنے کا حکم بھیجا بلکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سیرت وکردار کے بارے میں یہ سند اور یہ شہادت بھی عطا فرمائی کہ یہ دن کو کثرت سے روزہ رکھتی ہیں اور رات کو اللہ کی بارگار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتی ہیں اور یہی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جنت میں بھی ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف مقدر ہو چکا ہے۔

یہ بات تحقیقی طور پر نہیں معلوم ہوسکی کہ طلاق کے اس واقعہ کا اصل سبب کیا تھا۔ البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلاق اور رجعت ان دونوں کے سلسلہ کا یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیش آیا اسی سے اُمّت کو طلاق اور رجعت کا صحیح اور مسنون طریقہ عملی طور پر معلوم ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کی ایک حکمت اسی طریقہ کی تعلیم ہو......اس کے علاوہ یہ بھی اسی واقعہ کی برکت ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بلندی مقام اور ان کے وہ خاص اوصاف جو اس کا سبب بنے اور پھر ان کا جنتی ہونا، یہ سب معلوم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

☆......☆......☆

سلفِ صالحین کا اللہ کے راستے میں ثبات وقیام

ترجمہ: مولوی محمد نعمان سنجرانی

☆ حمّاد بن سَلَمہ سے روایت ہے، کہتے ہیں ہمیں علی بن زید نے حضرت سعید بن المُسیّب رحمہ اللہ سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے لیے مدینہ کی طرف چلے تو کفار کی ایک جماعت آپ کا پیچھا کرنے لگی۔ آپ اپنی سواری سے اُترے، اپنے ترکش کے سب تیروں کو بکھیر دیا اور فرمانے لگے: تم جانتے ہو کہ میں تمھارا بہترین تیرانداز ہوں۔ اللہ کی قسم! تم اُس وقت تک مجھے نہیں پکڑ سکتے جب تک میں اپنے سارے تیر چلا نہ لوں اور اُس کے بعد اپنی تلوار کے ساتھ تمھارا مقابلہ کروں گا۔ لیکن اگر تم چاہو تو میرا راستہ چھوڑ دو اور اس کے معاوضے میں اپنا مال مَیں تمھارے حوالے کر دوں؟ وہ کہنے لگے: ہم یہ بات مانتے ہیں۔ جب وہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابویحیٰ کی بیع بہت منافع والی ہے۔ اور قرآنِ مجید کی آیت نازل ہوئی: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (لوگوں میں ایک شخص ایسا ہے جو اپنی جان کو اللہ کی رضا کی تلاش میں بیچتا ہے)۔ (۱)

☆ واقدی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن نافع نے اپنے والد نافع سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جنگِ یمامہ کے دن ایک چٹان پر دیکھا، وہ جنگ میں کھل کر سامنے آگئے تھے اور پکار کر کہتے تھے: اے مسلمانوں کی جماعت! کیا جنت سے بھاگو گے؟ میں عمار بن یاسر ہوں، میری طرف آؤ۔ اور میں اُن کے کٹے ہوئے کان کی طرف دیکھ رہا تھا، جو پھڑ پھڑا رہا تھا اور وہ انتہائی شدت کے ساتھ قتال فرما رہے تھے۔ (۲)

☆ ابن الجوزی حضرت سعد بن خَیثمہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شریک ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو غزوۂ بدر کی دعوت دی تو اِن کے والد حضرت خَیثمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہم دونوں میں سے کسی ایک کا گھر رکنا ضروری ہے، تم ایثار کرو، مجھے جہاد میں شریک ہونے دو اور خود اپنے گھر کی عورتوں کے پاس ٹھہرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور فرمایا: اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں خود کو چھوڑ کر آپ کو ترجیح دیتا، لیکن مجھے اس سفر میں شہادت کی اُمید ہے۔ دونوں نے قرعہ ڈالا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نام کا قرعہ نکلا۔ آپ رضی اللہ عنہ نکلے اور بدر میں شہید ہوگئے۔ ہمیں اس بات کی خبر ابوبکر بن ابی طاہر نے دی، وہ کہتے تھے ہمیں جوہری نے بتایا، وہ کہتے تھے ہمیں ابن حیّوۃ نے بتایا، وہ کہتے تھے ہمیں ابنِ معروف نے بتایا، وہ کہتے تھے ہمیں ابن الفہم نے بتایا اور انھوں نے کہا: ہمیں محمد بن سعد رحمہ اللہ و رضی عنہ نے بتایا۔ اللہ ہمارا حشر ان کے اور ان کے ساتھیوں کے زمرے میں فرمائے۔ (۳)

☆ ثابت البُنانی ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ اے

رب! میرے معذور ہونے کے بارے میں آیت نازل فرمائیے۔ چنانچہ غیرُ اولی الضرر (وہ لوگ جو عذر والے ہوں اُن کے لیے جہاد بیٹھا رہنا گناہ نہیں) کے الفاظ نازل ہوئے۔ بعد میں حضرت جہاد میں شرکت فرماتے تھے اور کہتے تھے: جھنڈا میرے حوالے کردو، میں نابینا ہوں فرار ہو ہی نہیں سکتا اور مجھے دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کردو۔(۴)

☆ حمّاد بن سلمہ کہتے ہیں، ہمیں ثابت نے بتایا کہ حضرت صِلہ اپنے ایک بیٹے کے ساتھ محاذِ جنگ پر تھے۔ اُسے فرمانے لگے: آگے نکل کر حملہ کر، میں تجھے آزمانا چاہتا ہوں۔ اُن کے بیٹے نے حملہ کیا اور شہید ہونے تک جنگ کرتا رہا۔ پھر حضرت صِلہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ عورتیں اُن کی بیوی حضرت معاذہ کے پاس اکٹھی ہوئیں تو انھوں نے فرمایا: اگر تم مبارک باد دینے کے لیے آئی ہو تو مرحبا اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کام کے لیے آئی ہو تو واپس چلی جاؤ۔(۵)

☆ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ مکہ سے رخصت ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ اپنا سارا مال لے گئے، جو پانچ یا چھے ہزار تھا۔ میرے پاس میرے دادا حضرت ابو قُحافہ آئے، وہ نابینا ہو چکے تھے (ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا)۔ کہنے لگے: اس شخص نے تمھیں اپنا بھی دکھ دیا ہے اور اپنے مال کا بھی۔ میں نے کہا: ایسا تو بالکل نہیں، بلکہ وہ ہمارے لیے بہت زیادہ بھلائی چھوڑ کر گئے ہیں۔ میں نے کچھ کنکریاں اکٹھی کیں، اُنھیں گھر کے ایک طاقچے میں رکھ کر ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُس کپڑے پر رکھا اور کہا: وہ ہمارے لیے یہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ کہنے لگے: اگر وہ تمھارے پاس یہ چھوڑ کر گیا ہے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔(۶)

☆ عاصم بن بہدلہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آیا تو فرمانے لگے: میں نے شہادت کو اُس کے سب ممکنہ ٹھکانوں پر ڈھونڈا لیکن میرا مقدر یہی تھا کہ میں بستر پر مروں۔ توحید کے بعد اپنے سب اعمال میں مجھے صرف اُس رات سے اُمید ہے جس میں مَیں ڈھال لگائے ہوئے کھلے آسمان تلے ہوں اور ہم کفار پر حملہ آور ہونے کے لیے صبح کا انتظار کر رہے ہو۔ پھر فرمانے لگے: اگر میں مر جاؤں تو میرے اسلحے اور گھوڑے کو اللہ کے راستے کا سامان بنانا (یعنی جہاد کے استعمال ہی میں لانا)۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے جنازے میں شامل ہوئے۔ اُس موقع پر یہ ارشاد فرمایا: آلِ ولید خالد کی موت پر جتنے بھی آنسو بہائیں اُن کو حق پہنچتا ہے البتہ اونچی آواز اور گریبان چاک نہ کریں۔(۷)

☆ حضرت ابن عُیینہ سے روایت ہے کہ ابن ابی خالد آلِ خالد بن ولید کے ایک غلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسی رات جس میں مجھے ایسی دلہن دی جائے جس سے مجھے محبت ہو، میں اُس پر ایسی رات کو ترجیح دوں گا، جس میں سخت سردی ہو، بہت پالا پڑتا ہو، ہم ایک لشکر میں ہوں اور میں صبح سویرے دشمن پر جا پڑوں۔(۸)

☆ حماد بن سَلَمہ سے روایت ہے کہ ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ غزوۂ حُنین والے دن حضرت اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا نے ایک خنجر پکڑ رکھا تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ اُمّ سُلَیم ہیں جنھوں نے خنجر اٹھا رکھا ہے؟ حضرت اُمّ سُلَیم کہنے لگیں: یارسول اللہ ﷺ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں اس کے ساتھ اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔(۹)

☆ خارجہ بن زید بن ثابت اپنے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اُحد کے دن مجھے نبی کریم ﷺ نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لیے بھیجا اور مجھے فرمایا کہ اگر تم اُنھیں دیکھو تو میری طرف سے سلام پہنچانا اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیسا محسوس کرتے ہو؟ کہتے ہیں میں شہیدوں کی لاشوں کے درمیان گھوما، میں نے اُنھیں اِس حال میں پایا کہ اُن کی آخری سانسیں تھیں اور اُن کے جسم پر ستر کے قریب زخموں کے نشان تھے، میں نے اُنھیں پیغام دیا۔ فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ اور تم پر بھی سلام ہو! اُن سے کہنا، یا رسول اللہ ﷺ! میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اور میری قوم کے انصار سے کہنا، اگر تم میں ایک آنکھ جھپکنے کی طاقت رکھتی ہو اور کفار رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائیں تو اللہ کے ہاں تمھارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ زید کہتے ہیں: یہ کہہ کر اُن کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ اُن سے راضی ہو۔ (۱۰)

☆ ابو رافع سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ رومیوں نے حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا اور اُنھیں اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اُسے بتایا کہ یہ محمد ﷺ کے صحابہ میں سے ہے۔ بادشاہ کہنے لگا: اگر میں تمھیں اپنا آدھا ملک دے دوں تو کیا تم عیسائی ہو جاؤ گے؟ حضرت نے فرمایا: اگر تم مجھے اپنا سارا ملک، اپنی ملکیت کا سارا مال اور عرب کا پورا ملک بھی دے دو، تو بھی میں پلک جھپکنے کی مقدار کے لیے محمد ﷺ کے دین سے نہیں ہٹوں گا۔ اُس نے کہا: پھر میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ فرمایا: کر دو۔ اُس نے حکم دیا اُنھیں صلیب پر چڑھا دیا گیا، اُس نے تیر اندازوں سے کہا کہ اِن کے بدن کے پاس پاس نشانہ لے کر تیر مارو۔ اس حال میں وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عیسائی ہونے کی پیشکش کرتا جاتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ انکار فرماتے تھے۔ پھر اُس نے آپ کو صلیب سے اتارنے کا حکم دیا اور ایک دیگ منگوائی، اُس میں پانی اُبالا یہاں تک کہ وہ کھولنے لگا۔ پھر دو مسلمان قیدی طلب کیے اور ایک کو اُس میں ڈالنے کا حکم دیا، اس حال میں وہ حضرت پر عیسائیت پیش کرتا جاتا تھا اور حضرت انکار فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے: بادشاہ سے کہا گیا کہ وہ رو رہے ہیں۔ وہ سمجھا کہ ڈر گئے ہیں۔ کہنے لگا: اُنھیں واپس لاؤ، (ان سے پوچھا کہ) تم کیوں روتے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا: میں سوچتا ہوں کہ یہ تو صرف ایک جان ہے جس کو اس دیگ میں ڈالا جائے گا، تو ایک لمحے میں نکل جائے گی۔ میری تو خواہش تھی کہ میرے سر کے بالوں کے برابر زندگیاں ہوتیں اور وہ اللہ کی خاطر آگ میں ڈال دی جاتیں۔ وہ طاغوت اِن سے کہنے لگا: اگر میں تمھیں جانے کی اجازت دے دوں تو کیا تم میرے سر کو بوسہ دو گے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ نے فرمایا: میرے ساتھ باقی سب مسلمان قیدیوں کو رہا کرو گے؟ اُس نے کہا: ہاں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اُس کے سر کو بوسہ دیا اور سب مسلمان قیدیوں کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے آئے۔ جب اُنھیں اپنا قصہ سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ابن حُذافہ کا سر چومے اور پہل میں کرتا ہوں، پھر اُن کے سر پر بوسہ دیا۔ (۱۱)

☆ حماد بن سَلَمہ سے روایت ہے، وہ ثابت اور علی بن زید سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کی آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا (چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلو۔ سورۂ توبہ، آیت: ۴۱) پڑھی۔ فرمانے لگے: اللہ نے ہمیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا، یہ حکم ہم سب کو بوڑھوں اور جوانوں کو دیا گیا ہے۔ لہٰذا میرا سامانِ سفر تیار کرو، اُن کے بیٹے کہنے لگے: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ نے

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں خوب جہاد کیا، اب ہم آپ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بحری سفر کیا اور دورانِ سفر فوت ہوگئے۔ سات دن تک اُن کی تدفین کے لیے کوئی خشکی نہ ملی۔ پھر جب اُن کو دفن کیا گیا، اُس وقت (جسم مبارک) تک اُن کی حالت نہ بدلی تھی۔ (۱۲)

☆ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد کے لیے نکلا، جس کی امارت میرے پاس تھی۔ یہاں تک کہ اسکندریہ جا پہنچے، وہاں کا بادشاہ کہنے لگا: میرے پاس ایک آدمی بھیجو، میں اُس سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا: مجھے ہی جانا چاہیے۔ سو میں اپنا ترجمان لے کر گیا اور اُس کے پاس بھی ایک ترجمان تھا۔ ہمارے لیے دو منبر بچھائے گئے۔ اُس نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: ہم کیکر کے کانٹوں اور پتوں پر گزارا کرنے والے عرب لوگ ہیں، ہم بیت اللہ والے لوگ ہیں، ہم سب لوگوں سے تنگ زمین پر سب سے بری زندگی گزارا کرتے تھے، مردار اور خون کھاتے تھے اور ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ غرضیکہ ہم انسانوں میں سے بدترین زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں تک ہم میں ایک آدمی نکلے جو اُس دن ہمیں دنیوی اعتبار سے سب زیادہ قوی یا سب سے زیادہ مال والے نہ تھے۔ انھوں نے کہا: میں تمھاری طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ وہ ہمیں ایسی باتوں کا حکم کرتے تھے جن کو ہم نہیں جانتے تھے اور جو ہماری زندگی کے معمولات تھے اُن سے منع فرماتے تھے۔ ہم نے اُن سے نفرت کی، اُن کو جھٹلایا، اُن کی دعوت کو قبول نہ کیا، یہاں تک اُن کے پاس ہمارے سوا ایک قوم کے لوگ آئے اور کہا: ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور جو آپ سے جنگ کرے گا ہم اُس سے جنگ کریں گے، تو یہ اُن کے پاس چلے گئے۔ اس پر ہم اُن پر حملہ آور ہوئے لیکن وہ ہم پر غالب آگئے، پھر اُن کے اردگرد کے عربوں سے اُن کی جنگیں ہوئیں تو یہ اُن سب پر بھی غالب آگئے۔ میں جن عربوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں اگر اُنھیں تمھارے اچھے حالات کا پتہ چلے تو ہر ایک تم پر حملہ آور ہو جائے (یعنی یہ آخری جملہ ڈرانے کے لیے کہا)۔ اس پر وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا: تمھارے رسول ﷺ نے سچ کہا۔ ہمارے پاس بھی اسی طرح اللہ کے رسول آئے تھے، ایک زمانہ تھا کہ ہم رسولوں کی تعلیمات پر قائم تھے۔ پھر ہم میں ایسے بادشاہوں کا غلبہ ہونے لگا جنھوں نے اپنی خواہشوں کو رواج دیا اور انبیاء علیہم السلام کی سنت کو چھوڑ دیا۔ پس اگر تم اپنے نبی کی سنت سے جڑ رہوگے تو تم سے جنگ کرنے والا ہر دشمن شکست کھائے گا اور اگر تم بھی ہماری طرح اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوگے تو تم تو تعداد میں بھی ہم سے زیادہ نہیں قوت میں بھی ہم سے بڑھ کر نہیں۔ (۱۳)

☆ حضرت ابوعقیل بن عبدالرحمن بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب غزوات میں شرکت کی۔ اُن کے حالاتِ زندگی میں امام ابن جوزی جعفر بن عبداللہ بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ یمامہ کے دن، جب دونوں لشکر صف آرا ہوئے تو سب سے پہلے زخمی ہونے والے شخص یہی حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ تھے۔ جنھیں ایک تیر دونوں کندھوں اور دل کے مابین آ کر لگا تھا، البتہ یہ زخم مہلک نہ تھا۔ چنانچہ تیر نکالا گیا مگر زخم کے اثر سے دن کے شروع میں ہی اُن کا بایاں پہلو کمزور ہوگیا اور اُنھیں اُٹھا کر پڑاؤ میں پہنچا دیا گیا۔ جب جنگ بھڑک اُٹھی اور ایک بار مسلمانوں کے قدم اُکھڑے اور وہ اپنے پڑاؤ سے بھی پیچھے جانے لگے۔ حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ اُس وقت اپنے زخم کی وجہ سے کمزوری محسوس کر رہے تھے کہ ایسے میں حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ چلا کر پکارے: یالَلأنصار! اللہ اللہ!! دشمن کی طرف پلٹو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ سن کر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اُٹھ کر اپنی قوم کی طرف جانے لگے۔ میں نے اُن سے عرض کیا:

انھوں نے انصار کو پکارا ہے، ظاہر ہے اِس میں زخمی شامل نہیں۔ فرمانے لگے: میں انصاری ہوں، میں اُن کی اِس پکار پر جاؤں گا چاہے گھسٹتا ہوا ہی کیوں نہ جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے پٹی باندھی اور دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر اعلان کرنے لگے: اے انصار کی قوم! حُنین کے دن کی طرح پلٹ کر حملہ کرو۔ اکٹھے ہو جاؤ! اللہ تم سب پر رحم فرمائیں گے۔ آگے بڑھو کہ مسلمان دشمن تک نہیں پہنچ پا رہے۔ اس پر انصار نے ایسا جم کر حملہ کیا کہ دشمن پسپا ہو کر ایک (اونچی دیواروں والے) باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ کہتے ہیں: وہاں دونوں لشکروں میں قریبی ٹکراؤ ہوا اور ہمارے اور اُن کے درمیان تلواریں پھڑ پھڑانے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کے دشمن مسیلمہ کے قتل کے بعد میں نے حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اُن کا زخمی ہاتھ کندھے سے کٹ کر زمین پر گرا ہوا تھا اور اُن کے مبارک جسم پر چودہ زخم تھے، جن میں سے ہر ایک مہلک تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں اُن کے پاس کھڑا ہوا اور وہ پڑے ہوئے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوعقیل! ٹوٹتے لفظوں میں فرمانے لگے: لبیک، کس کی فتح ہوئی؟ میں نے کہا: خوشخبری ہے اللہ کا دشمن مارا گیا۔ انھوں نے اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کی، اللہ کی حمد بیان کی اور فوت ہو گئے۔ اللہ اُن پر رحمت فرمائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب میں واپس آیا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کا پورا قصہ سنایا۔ فرمانے لگے: اللہ اُن پر رحم فرمائیں، وہ ہمیشہ سے شہادت کے طالب اور اُس کے لیے کوشش کرنے والے تھے اور میرے علم کے مطابق وہ بلاشبہ ہمارے نبی ﷺ کے بہترین ساتھیوں اور پرانے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اللہ اُن سے راضی ہو۔ (۱۴)

☆ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی میں محمد بن سعد سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ واثلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اُن کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ نبی پاک ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو اپنے ساتھیوں کے حالات میں غور فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ واثلہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئے، فرمایا: تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیسے آئے ہو؟ کہنے لگے: بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ہر بات مانو گے؟) چاہے پسند ہو یا ناپسند۔ کہنے لگے: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک طاقت ہوگی؟ (یعنی پوری طاقت کے ساتھ اطاعت کی کوشش کرو گے؟) واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں۔ پھر اسلام قبول کر لیا اور بیعت کر لی۔ (۱۵) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقاتِ کبریٰ ابن سعد، ج:۱، ص:۲۳۲۔ اُس روز رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے، حضرت واثلہ رضی اللہ اپنے گھر گئے اور اپنے والد اسقع سے ملے، جب انھوں اِن کا حال دیکھا تو کہنے لگے: کر آئے ہو؟ اِنھوں نے کہا: جی ہاں۔ ان کے والد نے کہا: واللہ! میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا۔ یہ اپنے چچا کے پاس گئے اور انھیں سلام کیا، انھوں نے پوچھا کہ اسلام قبول کر لیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے باپ سے کم ڈانٹا اور کہنے لگے: ہم سے پہلے جلدی کرنا تمھارے لیے مناسب نہ تھا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کی بہن نے جب یہ بات سنی تو آ کر انھیں مسلمانوں والا سلام کیا۔ واثلہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: چھوٹی بہن یہ تم کہاں سے بولتی ہو؟ وہ کہنے لگیں: میں نے تمھاری اور چچا کی باتیں سنیں تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنے بھائی کو ایک مجاہد کا سامانِ سفر تیار کر دو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کُوچ کرنے ہی والے ہیں۔ جب انھوں نے سامان تیار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور مدینہ طیبہ میں کچھ ہی لوگ

پیچھے رہ گئے تھے۔ اُن میں سے بھی اکثر جانے ہی والے تھے۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بنی قَینُقاع کے بازار میں منادی کرنے لگے کہ مجھے کون شخص اپنے ساتھ سوار کرتا ہے کہ میں اُسے اپنا حصۂ غنیمت دوں گا۔ کہتے ہیں: میں پیادہ تھا سواری نہیں رکھتا تھا۔ کہتے ہیں مجھے کعب بن عُجرۃ رضی اللہ عنہ نے بلایا، فرمانے لگے: آدھے دن اور آدھی رات میری سواری پر تم بیٹھنا اور خرچ ہم دونوں کا برابر ہوگا اور تمھارا حصہ میرا ہوگا۔ واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔ کہتے ہیں: اللہ اُنھیں جزائے خیر عطا فرمائے، وہ خود سے زیادہ مجھے سوار رکھتے تھے، میرا سامان بھی اٹھاتے تھے اور میں اُن کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دَومۃ الجُندُل کے حکمران اُکیدر بن عبدالملک کی طرف ایک چھوٹا لشکر دے کر بھیجا، میں بھی اُس لشکر میں تھا۔ جنگ کی نوبت نہ آئی اور ہمیں خاصا مالِ غنیمت حاصل ہوا، جسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہمارے درمیان تقسیم کر دیا اور میرے حصے میں چھے جوان اونٹنیاں آئیں۔ میں اُنھیں ہانکتا ہوا حضرت کعب بن عُجرۃ رضی اللہ عنہ کے خیمے پر آیا اور کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ باہر نکلیے اور اپنی اونٹنیاں دیکھ کر قبضہ کر لیجیے۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکلے اور فرمانے لگے: اللہ تمھیں اس میں برکت دے، میں نے تمھیں اپنی سواری پر اس لیے نہیں بٹھایا تھا کہ میں تم سے کچھ لینا چاہتا تھا۔ (۱۶)

☆ عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت ابواُمیّہ غِفاری نے فرمایا کہ ہم ایک جنگ میں تھے کہ دشمن کی آمد کا شور پڑا۔ لوگ ایک دوسرے کو پکار پکار کے محاذ کے خطِ اوّل کی طرف جانے لگے، میرے سامنے ایک آدمی تھا کہ میرے گھوڑے کا سر اُس کے گھوڑے کی سُرین کے پاس تھا۔ وہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا: اے نفس! فلاں جہاد کے موقع پر میں جانا چاہتا تھا، تو نے کہا اپنے اہل وعیال کا خیال کر، میں نے تیری بات مانی اور واپس ہو گیا۔ اسی طرح فلاں فلاں موقع پر میں نے تیری بات مانی اور واپس ہو گیا، لیکن اللہ کی قسم! آج میں تجھے اللہ کے سامنے پیش کروں گا، چاہے تو مانے یا نہ مانے۔ ابواُمیّہ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا آج میں اِسے دیکھتا رہوں گا۔ میں نے اُسے دیکھا کہ جب مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کیا تو وہ صفِ اوّل میں تھا، پھر دشمن مسلمانوں پر چڑھ دوڑا، مسلمان پیچھے ہٹنے لگے تو وہ اُن کے عقب سے لڑتے ہوئے اُن کی حفاظت کر رہا تھا۔ پھر مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ صفِ اوّل میں تھا، پھر دشمن نے حملہ کیا، مسلمان ہٹنے لگے تو وہ اُن کو بچانے والوں میں تھا۔ اللہ کی قسم! سارا دن وہ یہی کچھ کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اُسے گرے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے بدن اور سواری پر ساٹھ یا اِس سے بھی زیادہ نیزے کے زخم تھے۔ (۱۷)

﴿ حواشی ﴾

(۱) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۲۳، سورۂ بقرہ، آیت: ۲۰۷۔ یہ حدیث مستدرک حاکم، ج:۳، ص:۳۹۷، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۷۱، معجم طبرانی، ج:۸، ص:۴۳، حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۵۱۔۱۵۲ پر بھی موجود ہے۔ (۲) سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۴۲۲۔ (۳) صفۃ الصفوۃ، ج:۱، ص:۴۲۸۔ (۴) سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۶۴۔ (۵) سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۹۸۔ (۶) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۲۹۰۔ (۷) سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۸۱۔ (۸) سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۷۵۔ (۹) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۳۰۴۔ (۱۰) سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۳۱۹۔ (۱۱) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۱۴۔ (۱۲) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۳۴۔ (۱۳) سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۷۰۔۷۱۔ (۱۴) صفۃ الصفوۃ، ج:۱، ص:۴۶۶۔۴۶۷۔ (۱۵) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقاتِ کبریٰ ابن سعد، ج:۱، ص:۲۳۲۔ (۱۶) صفۃ الصفوۃ، ج:۱، ص:۶۷۴۔۶۷۶۔ (۱۷)

حمد باری تعالیٰ

خواجہ فرقان غنی

زمانے بھر کا وہی خدا ہے اسی نے سب کو دیا ہوا ہے
خزانے اس کے وسیع تر ہیں تو در بھی اس کا کھلا ہوا ہے

اسی سے مانگو وہی تو رب ہے اسی نے پیدا کیے سبب ہیں
نہایت اعلیٰ مقام اُس کا جو اس کے در پر پڑا ہوا ہے

ہوا ہے محروم وہ عطا سے جو مانگتا ہی نہیں خدا سے
بہت ہے تاریک اس کی قسمت کہ ظلم خود پر کیا ہوا ہے

میں جاؤں مکے حرم کو دیکھوں نہاؤں رحمت کی بارشوں میں
وہاں پہ رحمت برس رہی ہے یہ حاجیوں سے سنا ہوا ہے

مجھے بھی رکھنا مرے خدایا ہمیشہ دیں پر تو اپنے قائم
اسی نے پائی ہے کامرانی جو تیرے دیں سے جڑا ہوا ہے

بفیض آقا مجھے بھی اپنا بنا لے بندہ اے میرے مالک
سکوں اسی کو ملا ہوا ہے جو تیرا بندہ بنا ہوا ہے

یہ محض اُس کی ہے اک نوازش نہیں ہے میرا کمال کوئی
کہ اس نے فرقانؔ کو جو اپنی ثنا کی خاطر چُنا ہوا ہے

☆......☆......☆

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یوسف طاہر قریشی

چاروں کھونٹ ہے پھیلی شہرت آقا کی
دنیا میں مشہور ہے رحمت آقا کی

اسے سرور و کیف کا ہے اک جام ملا
جس نے بھی ہے دیکھی صورت آقا کی

دل میں ٹھاٹھیں مارے حُبِّ پیغمبر
کرے حکومت من پر اُلفت آقا کی

فرق مٹایا اپنے اور پرائے کا
سب پہ رہی برابر رحمت آقا کی

گلی گلی میں بکھرے گوہر مدحت کے
چمن چمن میں پھیلی چاہت آقا کی

نگر نگر میں نکہت ان کی یادوں کی
نظر نظر میں روشن الفت آقا کی

کوچہ کوچہ کُوکے کوئل نعتوں کی
گھر گھر میں گونجے ہے مدحت آقا کی

برکت برکت بول ہے ہر اک آقا کا
کرم کرم ہے ذرا سی قربت آقا کی

رحمت رحمت رگ رگ پیارے رہبر کی
نزہت نس نس کو دے نکہت آقا کی

طیّب طیّب ہر اک خصلت ان کی ہے
طاہر طاہر عادت عادت آقا کی

قدم قدم پہ کھلیں گلاب صباحت کے
حُسن کا نور بکھیرے صورت آقا کی

ہے معراج مبارک سفر محمدؐ کا
منزل ہے اک اعلیٰ جنّت آقا کی

ملی کسی کو رفعت طور سینا کی
اور ''قاب قوسین'' ہے رِفعت آقا کی

دنیا ایک گلاب ہے خوشبو آقا ہیں
رنگت اس کی پاک رسالت آقا کی

انساں ہے اک پھول تو ایماں خوشبو ہے
خوشبو کی ہے روح محبت آقا کی

باغِ سیرت سے ہے چنتا پھول وہی
جس کے دل میں سچی اُلفت آقا کی

سُچّے موتی بن کر چمکے دل ان کے
جن لوگوں نے دھاری سیرت آقا کی

رنگ برنگے مہکیلے ہوں جس میں پھول
ایسا ''گلدستہ'' ہے سیرت آقا کی

خوشبو سے بھی بڑھ کر پاک تھے وہ انساں
گئے سمیٹ جو صادق صحبت آقا کی

رحمت کی موجوں کا ریلا ڈھونڈے ہے
اس جی کو، ہو جس میں اُلفت آقا کی

آقا کی آمد تھی مژدہ جنت کا
رحمت کی اک لہر ہے بعثت آقا کی

دمک اٹھا ہے عالم اس کے ایماں کا
جس نے ہے اپنائی سیرت آقا کی

سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

طالب الہاشمی

بَرِّ کوچک پاک و ہند میں سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کا شمار انیسویں صدی عیسوی کی نادرۂ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ وہ زمرۂ صوفیہ کے ایک باکمال، ذہین وفطین، زندہ دل، خوش مذاق، آزادمنش، جہاں گشت اور صاحبِ نظر بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ سیر وسیاحت میں گزارا۔ اثنائے سیاحت میں ہر نوع اور ہر طبقے کے افراد سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور ان کو عجیب وغریب تجربات حاصل ہوئے۔ عمر کے آخری اٹھارہ سال انھوں نے پانی پت (بھارت) میں گزارے۔ ان کے اخلاقِ حسنہ اور روحانی کمالات نے انھیں تھوڑے ہی عرصہ میں بے شمار لوگوں کا مرجعِ عقیدت بنا دیا اور ان کے مریدانِ باصفا کا ایک وسیع حلقہ قائم ہوگیا مگر ان کو ملک گیر شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب ان کی وفات کے بعد ان کے اقوال و ارشادات اور حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک کتاب ''تذکرۂ غوثیہ'' کے نام سے منصۂ شہود پر آئی۔ اپنی بعض خصوصیات کی بدولت اس کتاب کو نہ صرف بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی بلکہ اردو ادب میں بھی اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہوگیا ہے۔ ''تلامذۂ غالب'' کے فاضل مؤلف آنجہانی مالک رام کی رائے میں اس کتاب کی دلکشی کی کما حقہ تعریف نہیں ہوسکتی۔ زبان کے لحاظ سے ایسی پرخلوص کتابیں اردو میں بہت کم تصنیف ہوئی ہیں۔ (تلامذۂ غالب)

اسی طرح صاحبِ ''حیاتِ غالب'' شیخ محمد اکرم مرحوم کی یہ رائے بھی بالکل درست ہے کہ ''ہندوستانی صوفیہ کے تذکروں میں شاید ہی کوئی کتاب ''تذکرۂ غوثیہ'' سے زیادہ دلچسپ ہوگی۔ (حیاتِ غالب)

''تذکرۂ غوثیہ'' پر سب سے جامع تبصرہ اس کی طبع ہفتم کے آغاز میں مولانا محمد رضی عثمانی (بن حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ) نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تذکرۂ غوثیہ ایک مشہور ومقبول کتاب ہے جس میں حضرت مولانا غوث علی شاہ قلندری قادری کے حالات و بابرکات اور ملفوظات ومقالاتِ طیبات کو ایسے دلنشین انداز میں لکھا گیا ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ حضرت کے سفر نامے، بزرگوں، علماء ومشائخ، مجاذیب، اولیاء اللہ کی دلچسپ حکایتیں اور مقالاتِ حکمت، اپنے زمانے کے مشاہیر سے ملاقاتوں اور تصوف واخلاق کی چاشنی کے علاوہ لطفِ زبان وندرتِ بیان، زبان کی سادگی اور حکایت کی دلفریبی نے ایک ایسا ادبی گلدستہ تیار کیا ہے جس سے پڑھنے والا دوگونہ لطف اندوز ہوتا ہے اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں اس شان کی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور یہ کتاب اردو زبان کے ادبِ عالیہ میں شمار ہونے کے لائق ہے۔''

اس تذکرہ کے مطابق شاہ صاحبؒ موصوف مونگیر ضلع بہار کے قصبہ استھاواں میں بروز جمعہ ۴؍رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ مطابق ۷؍دسمبر ۱۸۰۴ء کو سادات کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ جدِّ امجد نے خورشید علی نام رکھا۔ والدِ

بزرگوار نے ابوالحسن اور والدہ نے غوث علی۔ سلسلۂ نسب ۷ا واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں سب سے پہلے مخدوم سید محمد غوث الحسنی الجیلانی ہندوستان میں وارد ہوئے۔ وہ روم سے براہِ خراسان ملتان آئے وہاں سے اوچہ (اُچّ) تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔

شاہ صاحب موصوف دس برس تک گھر پر تعلیم پاتے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے نصف قرآن شریف حفظ کرلیا اور نصف ناظرہ پڑھا۔ فارسی کی تعلیم سکندرنامہ تک اپنی سوتیلی والدہ سے اور عربی صرف ونحو کی تعلیم اپنے سوتیلے نانا مولوی محمد حیات سے حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہندی اور سنسکرت کی تعلیم بھی اپنے رضاعی والد پنڈت رام سیہنی سے حاصل کرتے رہے، غرض چھوٹی عمر ہی میں انھیں عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت پر خاصا عبور حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد ان کے والدِ بزرگوار نے انھیں اپنے پاس دہلی بلالیا جہاں وہ بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ ان دنوں شہر دہلی شاہ عبدالعزیز محدثؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، شاہ اسحاق اور مولانا فضلِ امام خیرآبادیؒ جیسے سرآمدِ روزگار بزرگوں کے انوارِ فیوض سے جگمگا رہا تھا۔ ایسے اکابر علماء کی محض آنکھیں دیکھنا ہی بہت بڑی سعادت تھی لیکن شاہ غوث علی کی خوش بختی کہ انھیں ان بزرگوں کا حلقۂ درس میسر آ گیا چنانچہ انھوں نے علم حدیث شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسحاق سے حاصل کیا۔ ایک سبق کافیہ کا شاہ اسماعیلؒ سے پڑھا اور دوسرے علوم کی کتابیں مولانا فضلِ امام سے پڑھیں۔ ان کے صاحبزادے مولانا فضلِ حق خیرآبادی شاہ صاحب موصوف کے ہم سبق تھے۔ مولانا فضلِ امام، شاہ غوث علیؒ کے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے اس تعلق خاطر کا اندازہ شاہ صاحب کے اس بیان سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

''یہ مبرور ومغفور (یعنی مولانا فضلِ امام) ہمارے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے اور ان کی اہلیہ کو بھی مثال مادرِ مشفقہ کے محبت تھی۔ حتیٰ کہ بغیر ہمارے کھانا تناول نہ فرمایا کرتی تھیں۔ ہم ان کے ساتھ پٹیالہ بھی گئے اور ضروری کتبِ دینیہ ومنطق پڑھتے رہے، جب وہ عالمِ قُدس کو رحلت فرما ہوئے تو ہم کو نہایت رنج والم ہوا۔ اس دن سے کتابیں بالائے طاق رکھ دیں کہ اس شفقت سے کوئی پڑھائے گا نہ ہم پڑھیں گے۔

اسی زمانے میں شاہ صاحبؒ نے دہلی کے مشہور خوش نویس میر پنجہ کش دہلوی سے فنِ خوشنویسی بھی سیکھا۔ تحصیل و تکمیلِ علوم کے بعد شاہ صاحب نے اپنے خاندان کے رواج کے مطابق اپنے والدِ بزرگوار کی بیعت کی اور ان سے علومِ باطنی حاصل کیے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد انھیں بابری لے گئے اور وہاں ایک قادری بزرگ میر اعظم علی شاہ سے بیعت کرایا۔ شاہ صاحبؒ مدتوں ان کا فیضِ صحبت اٹھاتے رہے پھر انھی کے ارشاد کے مطابق میرٹھ گئے اور وہاں کے ایک نامور بزرگ مولوی حبیب اللہ شاہ صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور ایک برس ان کی خدمت میں رہ کر راہِ سلوک طے کرتے رہے۔ ظاہری وباطنی علوم کی تحصیل کے بعد انھوں نے سیروسیاحت اختیار کی اور سالہا سال تک برِّ کوچک پاک وہند کے ایک ایک شہر اور گاؤں میں قلندرانہ شان سے خاک چھانتے رہے۔ اسی دوران میں دوبار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ ساٹھ برس کی عمر میں پانی پت آ کر مستقل قیام فرمایا اور یہیں شبِ دوشنبہ ۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۹۷ھ مطابق مارچ ۱۸۸۰ء کو عالمِ جاوداں کے راہرو ہوئے۔ کُل ۷۸ سال چھ مہینے اور کچھ دن عمر پائی۔ اس میں سے ۱۸ سال سات مہینے اور چھ دن بلدۂ پانی

پت میں گزارے۔ چونکہ ساری عمر متابلانہ زندگی کی بندشوں سے آزاد رہے اس لیے صُلبی اولاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ اولادِ معنوی انھوں نے ہزاروں مریدوں اور عقیدت مندوں کی صورت میں اپنی یادگار چھوڑی۔

شاہ غوث علیؒ کی وفات کے بعد ان کے مریدِ خاص سید گل حسن شاہ نے اپنے مرشد کے حالاتِ زندگی اور افکار و اقوال کو بڑی محنت اور سلیقے سے ''تذکرۂ غوثیہ'' کی صورت میں مرتب کیا۔

تذکرۂ غوثیہ میں جگہ جگہ بہت ہی دلچسپ حکایات اور علمی و ادبی لطائف ملتے ہیں۔ ان میں اُس دور کی کئی مشہور شخصیتوں کا ذکر بھی آتا ہے اور کئی فقیروں اور ہندو جوگیوں کے خرقِ عادات کے عجیب و غریب واقعات بھی پڑھنے میں آتے ہیں۔ ان لطائف اور حکایات کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جو شاہ غوث علیؒ نے بطور واقعہ بیان کی ہیں دوسرے وہ جو انھوں نے دوسروں کی زبان سے سن کر نقل کی ہیں، تیسرے عام روایتیں جن کا نمونہ مثنوی مولانا رومؒ، گلستانِ سعدی، انوارِ سہیلی وغیرہ میں ملتا ہے۔ ان میں سے چند روایات ایسی ہیں جو پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں اور تہذیب ان کے نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر تذکرۂ غوثیہ مرتب کرتے وقت انھیں ترک کر دیا جاتا تو کتاب کی علمی حیثیت اور افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ اسی طرح کچھ ایسے واقعات جو شاہ غوث علیؒ نے بطور آپ بیتی بیان کیے ہیں یا خود کو ان کا عینی شاہد بتایا ہے بعض اہلِ علم کے نزدیک سندی لحاظ سے مشکوک ہیں لیکن یہ اپنے عقیدہ کی بات ہے۔ عقیدت مندوں کے نزدیک ان کا ایک ایک حرف سچ ہے۔

یہاں اس کتاب کی چند دلچسپ روایات اور لطائف کا تذکرہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔

ان کے راوی شاہ غوث علیؒ ہیں اور مؤلف نے ان کے شروع میں اپنی طرف سے محض ''ایک روز ارشاد ہوا'' یا ''ایک روز فرمایا'' کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ''شاہ غوث علیؒ نے عموماً ہر جگہ اپنے لیے صیغہ جمع متکلم ''ہم'' استعمال کیا ہے۔

۱۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم دوبارہ رام پور میں گئے تو سرائے میں ٹھہرے۔ اتفاقاً مولوی فضلِ حق سے ملاقات ہوئی نہایت محبت اور عنایت سے پیش آئے۔ اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ، میں نے کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجیے کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا جہاں آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔ اگر پانچ روپیہ روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں۔ ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آ گیا۔ اپنے والدِ بزرگوار کو یاد کر کے روتے رہے، ہم نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستارِ فضیلت دور جا پڑی تھی۔ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ خوب یاد ہے کہ وہ عجب زمانہ تھا اور وہ قصہ اس طرح تھا کہ مولوی فضل امام صاحب نے ایک طالب علم کو فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو۔ وہ آیا غریب آدمی، بدصورت، عمر زیادہ، علم کم، ذہن کند، یہ نازک طبع ناز پروردہ جمالِ صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن و سال، نئی فضیلت ذہن میں جودت بھلا میل ملے تو کیسے ملے اور صحبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے۔ جھٹ اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا وہ روتا ہوا مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا۔ فرمایا کہ بلاؤ اس خبیث کو۔ مولوی فضل حق آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا صاحب نے ایک تھپڑ مار دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستارِ فضیلت دور جا

بڑی اور فرمانے لگے کہ ''تُو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز ونعمت میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علموں کی قدر ومنزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی، ارے طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ۔

درازیٔ شب از مژگانِ من پرس
کہ یکدم خواب در چشم نگشت است

خبردار تم جانو گے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا۔'' یہ چپ کھڑے روتے رہے کچھ دم نہ مارا۔ خیر قصہ رفع دفع ہوا لیکن پھر کبھی کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا۔

۲۔ ایک روز ارشاد ہوا: میرٹھ میں حافظ جلال الدین صاحب گیارھویں کیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم پانچ آدمیوں کی دعوت کی۔ جب فاتحہ شروع کی تو گھنٹہ بھر تک بزرگوں کے نام پڑھتے رہے برروحِ پاکِ فلاں فلاں آخر ہم نے تھک کران سے عرض کیا کہ حضرت سب کے نام تو شمار ہوگئے، ان پانچ صورت کے نام بھی پکار دیجیے جو اصل کھانے والے ہیں، بزرگوں کو ثواب جب پہنچے گا جب ان کا شکم سیر ہوگا۔ اس بات پر بعض لوگ تو ہنس پڑے اور بعض ناراض ہوئے لیکن عبارت فاتحہ جلد ختم ہوگئی۔

۳۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ بیت اللہ شریف میں ہمارے والد ماجد کا ایک مرید شب برات کے دن تھوڑا سا حلوہ پکا کر لایا اور کہا کہ بزرگوں کی فاتحہ دے دیجیے۔ ہم نے کہا بھلے مانس دیکھ تو کیسی مصیبت اٹھا کر ہم یہاں پہنچے ہیں۔ بھلا اس ذرا سے حلوے کے لیے کیوں بزرگوں کو تکلیف دیتا ہے، اتنی دور دراز مسافت بیچ میں سمندر حائل اور بالفرض وہ آ بھی گئے تو اتنے سے حلوے میں کیا بھلا ہوگا، کیا تم ان کو آپس میں لڑانا چاہتے ہو؟ ہنس کر کہنے لگے میاں صاحب آپ کو تو ہمیشہ ہنسی کی بات سوجھتی ہے اپنے بزرگوں سے بھی نہیں چوکتے۔

۴۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم کوٹ پوتلی سے چلے تو راستہ میں ایک مندر ملا وہاں ایک سادھو نہایت دلآویز الحان سے بھجن گا رہا تھا۔ ہم بھی اس کے پاس جا بیٹھے۔ بھجن سنتے رہے پھر ان سے باتیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا ہم نے مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھ لی۔ بعد نماز وہ سادھو جی مخاطب ہوئے کہ میاں صاحب آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوتی ہے پھر یہ علّت کیوں لگا رکھی ہے۔ ہم نے کہا کہ بابا جی علّت سے تو نہ تم خالی نہ ہم خالی، تم کو اس پتھر کے پوجنے کی علّت لگی ہوئی ہے، ہم کو نماز کی، تم گھنٹہ بجاتے ہو، ہم تسبیح ہلاتے ہیں، بس بے قید ہے تو خدا کی ذات ورنہ سب اپنی اپنی قید میں مبتلا ہیں۔

۵۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ بابری میں ایک شخص آیا جو اپنے تئیں خدا کہتا تھا۔ ان دنوں جناب قبلہ میر اعظم علی شاہ صاحب بھی وہیں تھے۔ وہ یہ بات سن کر خفا ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا جب ان سے ملاقات ہوئی، حال پوچھا، کہا کہ میں خدا ہوں، ہم نے کہا واہ حضرت ہم تو مدت سے آپ کی تلاش میں تھے، گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، آپ ہی کی جستجو میں جا بجا پھرتے رہے، آپ خود ہی تشریف لے آئے، بڑی مہربانی اور احسان فرمایا۔ پھر ہم نے ان کے لیے کھانا منگایا، اتفاقاً اس روز روکھی روٹیاں چنے کی تھیں۔ ان سے اچھی طرح نہ کھائی گئیں لقمہ گلے سے اترنا دشوار تھا کچھ ناراض سے ہونے لگے ہم نے کہا کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے خود ہی انصاف کیجیے کہ خدا تو آپ ٹھہرے جیسا ہم کو آپ نے

دیا وہ سامنے لا رکھا، اگر آپ پلاؤ دیتے تو وہی نذر کیا جاتا۔ بعد اس کے ہم نے قرآن کی ایک آیت پڑھی اور ان سے معنی دریافت کیے۔ کہا کہ میں تو ناخواندہ ہوں۔ ہم نے کہا سبحان اللہ! آپ بھی عجیب خدا ہیں کہ خود ہی قرآن نازل کیا، اس کے معنی نہیں سمجھتے۔ تب وہ نادم ہوئے اور اپنے اس قول سے توبہ کی۔

۶۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک فقیر رِند مشرب مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولوی بابا ہم کو شراب پلوا۔ شاہ صاحبؒ نے ایک روپیہ اس کی نذر کیا اور فرمایا کہ جو چاہو سو کھاؤ پیو تم کو اختیار ہے، وہ بولا کہ ہم نے تو آپ کا بڑا نام سنا تھا لیکن آپ تو قید میں ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا شاہ صاحب آپ قید میں نہیں ہیں۔ کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی روش کے مقید نہیں ہو تو آج غسل کرو اور جبہ وعمامہ باندھ کر مسجد میں چلو اور نماز پڑھو ورنہ جیسے تم رندی کی قید میں مبتلا ہو اسی طرح ہم شریعتِ غرّا کی قید میں پابند ہیں، تمھاری آزادی ایک خیال خام ہے۔ یہ بات سن کر نہایت چپ ہوا اور شاہ صاحب کے قدم پکڑے کہ درحقیقت ہمارا خیال غلط تھا جو ہم آزادی کا دم بھرتے تھے۔

۷۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ کسی نے اپنے گھر کے جھگڑے قصے بیان کرنے کے بعد انفصال و درستی معاملات میں ہم سے رائے طلب کی۔ ہم نے کہا کہ ہم کو ایک نقل یاد آئی ہے، کسی زمانہ میں ایک شخص نے دعویٰ پیغمبری کا کیا تھا۔ بادشاہِ وقت کو خبر ہوئی اس کو بلایا اور کہا کہ اگر تیرا دعویٰ سچا ہے اور تو پیغمبر برحق ہے تو اس قفل کو کھول دے۔

اس شخص نے جواب دیا کہ: دعویٰ پیغمبری کردہ ام نہ آہنگری یعنی میں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ لوہار ہونے کا، سو ہمارے تو نہ جورو نہ بچے، ان معاملات کے نشیب وفراز کی ہم کو کیا خبر ہے وہ جانیں اور ان کا کام۔

۸۔ ایک روز کسی شخص نے کشائشِ رزق کے لیے وظیفہ پوچھا۔ اس وقت سے ارشاد ہوا کہ اگر درود و وظائف پر روزی موقوف ہوتی تو دنیا میں ملانوں کے برابر کوئی دولت مند نہ ہوتا بلکہ وظیفہ تو اس معاملہ میں اور الٹا اثر کرتا ہے کیونکہ دنیا ایک میل کچیل ہے اور نامِ خدا صابون، بھلا صابون سے میل کیونکر بڑھ سکتا ہے تم نے کسی وظیفہ خوان کے گھر ہاتھی گھوڑے بندھے نہ دیکھے ہوں گے...... خدا کا نام تو صرف اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے دنیا کی محبت دل سے دور ہو جائے نہ اس لیے کہ آدمی دنیا میں زیادہ آلودہ ہو۔

۹۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسوں شاہ اسحاق اور شاہ یعقوبؒ کا شمار تیرھویں صدی ہجری کے سربرآوردہ علمائے ہند میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں بھائی ۱۲۵۶ھ میں ترک وطن کر کے حجاز میں جا بسے تھے۔ شاہ غوث علیؒ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو ان دونوں بزرگوں سے خوب صحبتیں رہیں۔ شاہ اسحاقؒ حدیث میں شاہ غوث علیؒ کے استاد تھے اس لیے شاہ صاحب موصوف فرطِ ادب سے ان کے سامنے زیادہ گفتگو نہیں کرتے تھے البتہ شاہ یعقوبؒ سے بے تکلفی تھی، ان سے اپنی ملاقاتوں کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے دریافت کیا کہ ذاتِ باری کا ظہور کیا عرب و ہندوستان میں کچھ جدا جدا ہے؟ کہا: ''نہیں''۔ ہم نے کہا کہ پھر آپ ہندوستان سے کیوں بھاگے؟ فرمایا: ''کہ بھائی ہم محمدی بھی تو ہیں''۔

۱۰۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ جس زمانہ میں مولوی فضلِ حق سر رشتہ دار تھے تو ہر جمعہ کو خضاب کیا کرتے تھے۔ مولوی نور الحسن کاندھلوی نے، جو مولوی صاحب سے پڑھتے تھے، عرض کیا جناب یہ خضاب کرنا آپ کو زیبا نہیں کیونکہ آپ عالم

ہیں۔ مولوی صاحب سن کر چپ ہو رہے، جب مولوی نور الحسن صاحب کئی مرتبہ زبان پر لائے تو ایک دن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ سنو صاحب کسی نے وعظ کہہ کر دنیا کمائی، کسی نے درس وتدریس کر کے، کسی نے تعویذ گنڈا کر کے، کسی نے پیری مریدی کی آڑ میں، ہم نے منہ کالا کر کے دنیا حاصل کی، غرض سب کی دنیا ہے اس سے نجات تو جب ممکن ہے کہ ایسا مردِ خدا مل جائے جو ایک نظر میں بیڑا پار کر دے۔

۱۱۔ ایک روز ایک نواب کا معتمد جناب قبلہ (شاہ غوث علی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور نواب کی طرف سے عرض کیا کہ اس عاجز کے لیے وقتِ خاص میں دعا فرمایے تا کہ اپنے مقصد کو پہنچوں۔ حضرت نے اس کے جواب میں ایک نقل بیان فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ خان صاحب کسی فقیر کی تلاش کیجیے شاید کوئی خدا کا بندہ ایسا بھی نکل آوے اور ہمارے نزدیک تو خاص وقت میں اگر نواب صاحب یاد آئیں تو اس خاص وقت پر بھی تین حرف ہیں۔

۱۲۔ ایک روز غلامی شاہ (خادم) نے چائے تیار کر کے پیش کی۔ حضرت نے تو کسی سبب سے نہ پی مگر اور لوگوں نے پی تو دست آنے لگے۔ دوسرے دن یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے غلامی شاہ سے پوچھا کہ چائے کا نسخہ تو خوب ایجاد کیا، بھلا اس میں کیا کیا چیزیں ڈالیں۔ شاہ جی نے خوش ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس میں کچھ سونف، کچھ گاؤ زبان اور کچھ سناء اور اڑھائی پتی نیم کی تھی۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ نسخہ تو بہت عمدہ ہے البتہ جمال گوٹہ کی کسر باقی رہ گئی۔ پھر آپ نے سب لوگوں کو منع فرمایا کہ خبردار ان کی بنائی ہوئی چائے کوئی نہ پینا۔

۱۳۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ زینت المساجد میں ایک روز کمبل پوش (شاہ صاحب کے ایک صاحب طریقت رفیق) سے مولوی محبوب علی صاحب کی گفتگو ہونے لگی۔ اس آیت کے معنی میں فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ'' مولوی صاحب تو کہتے تھے کہ بیت سے مراد کعبہ اور کمبل پوش کا قول تھا کہ بیت سے عبارت قلب انسانی ہے، یہاں تک بحث ہوئی کہ نوبت بجدال پہنچی، اتنے میں مولوی فضل حق صاحب تشریف لائے۔ دونوں صاحبوں کی تقریر سنی اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ آپ خاموش بیٹھے سنتے ہیں فیصلہ کیوں نہیں کر دیتے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب مجھ کو ایک نقل یاد آئی ہے، میرٹھ میں لالہ بانکے رائے (میرٹھ کے ایک وکیل جو فقرا سے عقیدت رکھتے تھے) کے مکان میں مقیم تھا، جہاں ایک چھوٹا سا پیپل کا درخت لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک روز گائے نے اس درخت پر منہ ڈالا میں نے کہا کہ اسے ہٹا کیوں نہیں دیتے تو لالہ بانکے رائے بولے کہ میاں چپکے رہو، یہ دونوں ہمارے دیوتا ہیں آپس میں خود ہی سمجھ لیں گے۔ دونوں کے درمیان ہم کیوں دخل دیں۔ سو جناب عالی یہ دونوں صاحب ہمارے دیوتا ہیں اور ان کا معاملہ خضر وموسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ شریعت و طریقت کی جنگ ہے۔ ابھی هذا فراق بيني و بينك کہہ اٹھیں گے بھلا میں ان کو کیا سمجھاؤں ؎

من ز قرآں مغز را برداشتم
استخواں پیش سگاں انداختم

(ترجمہ: میں نے قرآن سے مغز اٹھا لیا ہے اور ہڈیوں کو کتوں کے سامنے ڈال دیا ہے۔)

آپ تشریف رکھیے اور ان دونوں صاحبوں کو لڑنے دیجیے۔ یہ بات سن کر دونوں صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ واہ صاحب

آپ نے ہم دونوں کو کتا بنا دیا۔

۱۴۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ ''جب ہم دوبارہ پیران کلیر میں گئے تو وہاں ایک بزرگ میاں غلام فرید صاحب جو بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے، مع چند مریدوں کے تشریف لائے ان کے ہر ایک مرید کو ایک ایک خدمت سپرد تھی۔ اتفاق سے جس مرید کو گھوڑے کی گھاس لانے کا کام تھا، اس کو بخار اس شدت سے آیا کہ بیچارہ گھاس نہ لا سکا اس پر پیر جی کا غضب نازل ہوا، فرمایا کہ جا ہم نے تجھے مردود کیا اور چودہ خانوادوں سے باہر نکال دیا۔ یہ سن کر اس بیچارہ کا دم نکل گیا، بہت رویا پیٹا، توبہ استغفار کی مگر پیر جی نے ایک نہ مانی، آخر وہ روتا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آج بڑا غضب ہوا، میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہا، دونوں جہاں سے راندہ گیا۔ ہم نے کہا کہ ابھی اس جہان میں تو موجود معلوم ہوتا ہے، بات تو کہہ۔ اس نے رورو کر اپنا تمام قصہ بیان کیا، ہم نے کہا کہ ارے بے وقوف روتا کیوں ہے تیرے پیر جی کو صرف چودہ خاندان یاد تھے ہم کو چھتیس یاد ہیں، آ تجھ کو پندرھویں خانوادے میں بھرتی کر لیں، تو گھبرا مت لیکن تو جا اور اپنے پیر جی سے پہلے یہ بات دریافت فرما کہ حضرت جب آپ نے مجھ کو چودہ خانوادوں میں داخل کیا تھا تو میں کہاں کا بادشاہ یا وزیر یا ولی کامل ہو گیا تھا، اب جو آپ نے نکال دیا تو میرے پاس سے کیا چھن گیا میں تو جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہوں البتہ آپ کے نکالنے سے ایک فائدہ ہوا کہ گھاس کے بوجھ سے سبکدوش ہو گیا۔ اگر تجھ سے پوچھیں کہ یہ بات تجھ کو کہاں سے سوجھی تو کہنا، میں پندرھویں خانوادے میں داخل ہو گیا ہوں، یہ اس کی بسم اللہ ہے۔ غرض اس نے جا کر اسی طرح بیان کیا یہ سن کر ان کے مریدوں کے کان کھڑے ہوئے اور پیر جی سے کہنے لگے کہ حضرت یہ خاندان بہت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے، اوّل تو گھوڑے کی گھاس سے چھوٹا دوسرے ہم سے ایک خاندان آگے بڑھ گیا، اگر آپ کو آگے کے خاندان میں دسترس ہوتی تو ہم بھی پندرھویں خاندان میں داخل ہو جاتے۔ پھر تو پیر جی کے چھکے چھوٹے اور گھبرا کر بولے کہ یہ کہیں میاں غوث علی شاہ کے پاس تو نہیں جا پہنچا، یہ سارا فساد ان کا ہی معلوم ہوتا ہے ورنہ اور کسی کو یہ باتیں کیا سوجھیں، الحاصل وہ ہمارے پاس دوڑے آئے اور گلہ کرنے لگے کہ واہ صاحب تم نے ہمارے سارے مرید فرنٹ کر دیے۔ میں نے کہا کہ میاں صاحب ذرا غور کرو وہ بیچارے گھر بار چھوڑ کر آپ کے پاس خدا کا نام سیکھنے آئے ہیں یا گھوڑے کی گھاس کھودنے۔ اگر تم کو نامِ خدا آتا ہو تو بتلا کر رخصت کر دو ورنہ جواب صاف دے دو، بیچارے تو تمھاری خدمت گزاری کریں اور تم کسی طرح ان پر شفقت نہ کرو یہ کیا آدمیت ہے''۔

۱۵۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم کرت پور میں گئے تو دیکھا کہ صبحدم آ کر سجادہ نشین صاحب نے حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف و سجدہ کیا، ہم نے کہا کہ صاحب طواف و سجدہ تو یہاں ادا ہوا اگر غوث الاعظم کے مزار پر آپ ہوں تو وہاں کیا کیجیے گا اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے کیا باقی رکھا اور خدا سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لیے کچھ ادب و تعظیم درکار ہو۔ وہ خفا ہو گئے اور بولے کہ میاں طالب علم حجتی ہوتے ہیں اسی واسطے ان کو فیض نہیں ہوتا، ہم نے کہا کہ صاحب ایسے فیض کو ہمارا سلام ہے کہ جس کے لیے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کے سامنے سر جھکائیں اور توحید سے نکل کر شرک میں مبتلا ہوں۔

۱۶۔ ایک روز کسی شخص کا خط آیا جس میں قدم بوسی کا اشتیاق، ارادت کا اظہار اور بیعت کی درخواست تھی۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ان کو لکھ دو کہ پہلے ہم کو اپنے گھر کے کاروبار کی ایک فہرست بنا کر بھیج دیں یعنی بعد مرید ہونے کے جو جو کام ہم سے لینے ہوں ابھی سے ان کے لیے تیار ہو رہیں کیونکہ دنیا داروں کے پیر تو اسی مصرف کے ہوتے ہیں کہ ان کی

نوکری چاکری کے لیے بال بچوں کے لیے صحت وتندرستی کے لیے دعا کریں۔

۱۷۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک دن ایک مولوی صاحب اپنے بیٹے کو مارتے ہوئے ہمارے پاس لائے اور کہنے لگے کہ حضرت اس اُلّو کے پٹھے کو آپ سمجھائیں، یہ پڑھتا نہیں۔ ہم نے کہا مولوی صاحب آپ تشریف رکھیں، الو، پٹھے دونوں کو ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ حاضرین ہنسنے لگے مگر مولوی صاحب غصہ کی حالت میں کچھ نہ سمجھے۔

اوپر کے اقتباسات سے شاہ غوث علیؒ کے رجحان طبع، شگفتہ مزاجی اور ذہانت کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن اردو ادب میں تذکرۂ غوثیہ کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ شاہ غوث علی کے افکار ونظریات سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی ایک نہایت دلچسپ اور قد آور شخصیت تھے اور تذکرۂ غوثیہ میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور خیالات کی بڑی بے ساختگی سے عکاسی کی گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی خدمت میں غریب، امیر، عالم، جاہل ہر طبقے کے لوگ حاضر ہوتے رہتے۔ کوئی زیارت اور ملاقات کے لیے، کوئی حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے لیے، کوئی دعا کی خاطر یا تعویذ لینے کے لیے، کوئی وظیفہ پوچھنے کے لیے، غرض ہر قسم کے غرض مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ شاہ صاحب کسی کو مایوس نہیں لوٹاتے تھے۔ بہت کم ایسے لوگ ایسے ہوتے تھے جو ان کی مجلس سے مطمئن ہو کر نہ اٹھتے ہوں اگر کوئی پریشان حال شخص کسی سبب سے اپنی کیفیت یا اپنا حالِ دل بیان نہ کرسکتا تو اس کو بھی کوئی ایسا عمل بتا دیتے جس پر عمل کرنے سے اللہ کے فضل وکرم سے اس کی مصیبت دور ہونے کی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک مصیبت زدہ شخص شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اس سے پوچھا: ’’بھائی کیا بات ہے، آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں؟‘‘

اس نے کہا: ’’جی ہاں! میں بہت پریشان ہوں مگر افسوس کہ اس کا سبب بتا نہیں سکتا۔‘‘

شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ’’اچھا یہ بتائیے کہ میں آپ کے حق میں کیا دعا کروں؟‘‘

اس نے جواب دیا: ’’جناب میں اسے بھی بیان نہیں کرسکتا‘‘۔

شاہ صاحبؒ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا:

’’میں آپ کو ایک عمل بتاتا ہوں۔ یہ عمل کیجیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو آپ کی ہر مصیبت دور ہوجائے گی۔ آپ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد اکیاون بار یہ آیت پڑھیں۔ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔**

اس کے بعد گیارہ مرتبہ پھر درود شریف پڑھیں اور جس مصیبت میں آپ مبتلا ہیں، اس سے نجات حاصل کرنے کی دعا مانگیں، اس عمل کو چند دن جاری رکھیں، اللہ نے چاہا تو آپ کی مصیبت دور ہوجائے گی۔ وہ شخص چلا گیا۔ چند دن کے بعد وہ خوش خوش دوبارہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا، میں نے اسی کے مطابق عمل کیا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری مصیبت دور کردی اور میری پریشانی جاتی رہی۔

میرے والد......صوفی خدابخش چوہان رحمہ اللہ

ابومحمد سلیم اللہ چوہان سندھی۔ڈائریکٹر مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی راجو گوٹھ

میرے مربی، میرے محسن اور میرے والد گرامی صوفی خدابخش چوہان بانی مدرسہ دارالتعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے ایک عبدِ صالح تھے، جنھوں نے اعمال صالحہ، کریمانہ اخلاق اور بے شمار خوبیوں کی وجہ اپنا نیک نام چھوڑا ہے۔ یہاں حضرت والد گرامی جناب صوفی خدابخش چوہان کی مختصر سوانح حیات لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تعارف: خدابخش بن اللہ بخش بن خدابخش چوہان- ولادت: 1944 گوٹھ راجو چوہان تحصیل لکھی غلام شاہ ضلع شکار پور میں ہوئی۔

تعلیم: حضرت والد محترم باضابطہ عالم فاضل نہ تھے البتہ علماء وصلحاء کے صحبت یافتہ ضرور تھے، دنیوی تعلیم پانچ جماعتیں اپنے گاؤں راجو گوٹھ میں میں حاصل کی، قرآن پاک ناظرہ کی تعلیم بھی اپنے اسی گاؤں میں حاصل کی، فقط ناظرہ اور اسکول کی پانچ جماعتیں پڑھ کر اتنی دینی خدمات سرانجام دیں کہ رشک آتا ہے، مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ ان خدمات کی وجہ سے وہ بخشے جائیں گے۔آپ کو اللہ پاک نے بہت خوبیوں سے نوازا تھا، ان کی تمام خوبیوں کو حوالۂ قرطاس کرنا تو بہت مشکل ہے، البتہ ان کے چیدہ چیدہ اوصاف حمیدہ کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ادنیٰ کوشش کر رہا ہوں۔

حضرت والد گرامی کی ایک عادت یہ تھی کہ صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔سفر میں ہوں یا حضر میں، تندرست ہوں یا علالت میں ہوں وہ صوم وصلاۃ کو پابندی سے ادا کرتے۔تہجد پڑھنا ان کی عادت ثانیہ تھی، میں نے جب شعور والی زندگی میں قدم رکھا تو اپنے والد محترم کو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے، آواز سے قادری طریقہ سے ذکر واذکار کرتے، اپنے رب کے حضور میں دعائیں مانگتے دیکھا۔آپ مستجاب الدعوات تھے، کسی بھی مسئلہ میں پریشان ہوتے تو اللہ رب العالمین کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔اور ان کا اصلاحی تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا حماداللہ ہالیجوی رحمہ اللہ کے جانشین حضرت مولانا حافظ محمود اسعد رحمہ اللہ سے تھا، ان سے خوب کسب فیض کیا، اسی فیض وصحبت کی برکت تھی کہ خود تو عالم نہ تھے، البتہ انہوں نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم کے لئے وقف کیا۔خوش قسمتی سے ان کی اولاد میں سے بڑے بیٹے، راقم الحروف سلیم اللہ چوہان کو دستارِ فضیلت باندھنے کی سعادت ملی (سندھی زبان کی متعدد کتب کی تصنیف وتالیف کی خدمت بھی نصیب ہوئی)۔اپنے گاؤں میں 1981ء سے لے کر وفات تک دینی، اصلاحی جلسے کرانے شروع کیے اس کے علاوہ آپ نے مجاہدانہ زندگی گذاری، اخلاص اور راست گوئی میں ضرب الامثال تھے، ان کے اندر دینی جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا، آپ جمعیۃ علماء اسلام کے فعّال رکن تھے، استقامت کے جبل تھے، 2007 کے بلدیاتی الیکشن میں جمعیۃ علماء اسلام یوسی طیب ضلع

شکار پور تحصیل لکھی غلام شاہ میں جنرل کونسلر کے امیدوار بھی بنے تھے جس کی وجہ سے وڈیروں کی نیندیں حرام ہوگئی تھی، حضرت والد صاحب کو ڈرایا دھمکایا گیا لیکن آپ اپنے مشن و پروگرام سے دست بردار نہیں ہوئے، ان کا یہ دینی و مذہبی جذبہ قابل تعریف تھا کہ ایک غریب گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے بھی جماعت کے حکم کو لبیک کہہ کر وڈیروں سے دشمنی مول لی۔ آپ نے جتنے بھی جماعتی، سماجی، اور مذہبی کام کیے ان میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ نے تمام کام مخالفت کے باوجود خوش اسلوبی سے سرانجام دیے کہ ان کا نام روشن و تابندہ رہے گا۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو نیک کام کیے ان پر سرسری نظر ڈالوں گا۔

مساجد و مدارس تعمیر کرانا: ان کی زندگی کا سب سے اہم ترین شرف اور معمول مساجد و مدارس کی تعمیرات تھی اور آپ نے اپنے گاؤں میں دو مساجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ یقیناً یہ بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

جامع مسجد اقصیٰ راجو گوٹھ کی تعمیر: یہ مسجد ہمارے گاؤں کی سب سے پرانی مسجد ہے، یہ گاؤں کے بالکل اندر ہے، جیسے جیسے گاؤں کے مکانات کی تعمیرات ہوتی گئی تو مسجد نیچے ہوگئی برسات وغیرہ کا پانی مسجد میں آتا تھا تو حضرت والد گرامی کو خیال ہوا کہ مسجد کی از سر نو تعمیر کی جائے حضرت والد گرامی نے گاؤں والوں سے مشورہ کیا کہ مسجد کی نئی تعمیر کی جائے کسی ایک نے بھی والد صاحب کی حمایت نہیں کی، کسی نے تو یہ کہا کہ آپ کے پاس اگر ایک لاکھ کی مالیت ہے تو پھر مسجد کا کام شروع کریں۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس اتنی مالیت تو نہیں البتہ مجھے اپنے خالق حقیقی اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے اسی کا نام لے کر کام شروع کروں گا، وہ ہی ذات اسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائی گی۔ بالآخر حضرت والد صاحب نے اللہ رب العالمین کا نام لے کر کام شروع کیا دس بارہ سالوں کی محنت اور لگن سے ایک شاندار مسجد بن گئی اسی مسجد میں بندہ نے دینی تعلیم کا آغاز کیا ہے۔

مچ والی مسجد کی تعمیر: (مچ سندھی زبان میں آگ کو کہتے ہیں اس مسجد کے لوگ آگ جلا کر مجلس کیا کرتے تھے اس وجہ سے اس کا نام ہی مچ والی مسجد پڑ گیا) یہ مسجد بھی بہت پرانی تھی زمانے کی گردش سے مسجد شریف منہدم ہوگئی تھی اس مسجد کو بھی نئے سرے سے حضرت والد صاحب نے تعمیر کرائی امامت بھی خود ہی کراتے تھے، یہ بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

مدرسہ عربیہ دار التعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی کی تعمیر:

مساجد کی تعمیر کے بعد حضرت والد صاحب کو فکر لاحق ہوا کہ اب اس گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہونا چاہیے جو نئی نسل کی دینی و مذہبی حوالے سے رہنمائی کر سکے، اس کے ساتھ ساتھ عقائد کی اصلاح بھی ہو سکے، مدرسہ کے لئے جو اہم مسئلہ تھا وہ جگہ کا تھا کہ جگہ مناسب و موزون ہو، ایک جگہ حضرت والد گرامی کی نظر میں تھی، لیکن اس میں کچھ رکاوٹ تھی جگہ کے مالکان جگہ دینے پر راضی نہ تھے، حضرت والد گرامی نے رات کو اٹھ اٹھ کر تہجد میں دعائیں مانگیں، اللہ تعالی نے وہ دعائیں قبول کی تو جگہ کے مالکان میں سے مرحوم ہنگل فقیر حضرت والد صاحب کے پاس خود آئے اور کہا کہ ہم یہ جگہ آپ کو مدرسہ کے لئے وقف کرنے آئے ہیں، حضرت والد صاحب نے فرمایا: " کہ اب زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے،

اب میرے اس کمزور جسم اتنی طاقت کہاں کہ مدرسہ تعمیر کراؤں" مرحوم بنگل فقیر نے بہت اصرار کیا کہ آپ کو جگہ لینی ہے اور مدرسہ تعمیر کرنا ہے، حضرت والد صاحب نے اللہ کا نام لے کر اس کی ذاتِ عالی پر بھروسہ رکھتے ہوئے کام شروع کیا یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم الشان ادارہ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی بن گیا اور ان کی زندگی میں سب سے محبوب آخری عمل: **انما الاعمال بالخواتیم** کی عملی تصویر بن گیا۔ یہ بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے اللھم زدفزد آمین۔

اس کے علاوہ حضرت والد گرامی نے اپنے گاؤں میں دینی جلسے کرانے کا بیڑا اٹھایا جو کہ 1981ء سے وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جس میں سندھ پنجاب کے مشہور خطباء تشریف لاتے ہیں۔ جن میں کچھ قابل ذکر یہ ہیں: امام المجاہدین حضرت مولانا سید محمد شاہ امروٹی رحمہ اللہ، مناظر اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، شہید اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالغفور حقانی، حضرت مولانا سید سراج احمد شاہ امروٹی مدظلہ، حضرت مولانا عبدالغنی وغیرہم۔

وفات حسرت آیات: جس طرح آپ نے زندگی بھی شاندار اور مجاہدانہ گذاری وفات بھی قابل رشک تھی کہ نماز پڑھتے ہوئے سر سجدے میں تھا کہ جان جان آفریں کے حوالے کر دی، وفات ۲/ اگست ۲۰۱۵ء مغرب کی پہلی رکعت کے سجدے میں ہوئی۔

تجہیز وتکفین: حضرت والد گرامی کے غسل میں راقم الحروف اور میرے چھوٹے بھائی عطاء اللہ شریک تھے۔

نماز جنازہ: حضرت والد گرامی کی نماز جنازہ ان کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی میں حضرت مولانا حافظ سعید احمد شاہ بخاری ابن مناظر اسلام مولانا سید عبداللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے پڑھائی، نماز جنازہ میں کافی علماء شریک ہوئے تھے، جن میں کچھ قابل ذکر یہ ہیں: مولانا تاج محمد مہر، مولانا رشید احمد شاہ بخاری، مولانا فیض محمد چوہان، مولانا محمد داؤد ٹانوری، مولانا رحیم بخش مہر مدظلہم۔

تعزیت کرنے والے علماء کرام بھی بہت ہیں، ان میں مولانا محمد رمضان پھلپوٹو، مولانا مسعود احمد سومرو، مولانا سید ولی اللہ شاہ امروٹی، مولانا عبداللہ مہر سومرانی شریف، وغیرہ۔ اس کے علاوہ جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث علامہ زاہد الراشدی مدظلہ نے فون پر تعزیت فرمائی۔

باقیات الصالحات: حضرت والد گرامی نے اپنے پیچھے ایک نیک کام جو کہ مساجد و مدارس و نیک صالح اولاد کی صورت چھوڑا ہے جو رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رکھے گا۔ ان شاء اللہ

آپ کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا سلیم اللہ چوہان عالم فاضل ہیں کئی کتب کے مصنف ومترجم ہیں، دوسرے صاحبزادے عطاء اللہ چوہان اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

دعا ہے اللہ رب العزت انہیں اپنی جوار رحمت جگہ دے آمین

مِنھاجِ نُبوّت اور مرزا قادیانی (قسط:۱)

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

(استادگرامی مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ ان چند علماء میں سے تھے جنھوں نے اپنے لیے فقر کے راستے کو اختیار کرنا باعثِ شرم نہیں سمجھا اور تادم زیست اللہ کے دین کی ہی خدمت کرتے رہے۔ ان کو قادیانی لٹریچر کا اختصاصی مطالعہ حاصل تھا۔ ایک بار خود مجھے فرمایا کہ مرزا قادیانی کی تمام تحریرات ایک بار مکمل پڑھ چکا ہوں اور دوسری بار بھی روحانی خزائن مکمل کر چکا ہوں، ملفوظات زیرِ مطالعہ ہے۔ مولانا معاشی طور پر انتہائی کمزور تھے، مگر حرمین شریفین میں حاضری کے شدید خواہش مند تھے۔ غیب سے وسائل پیدا ہوئے اور مولانا حجاز مقدس تشریف لے گئے اور وہیں ۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۲۰۱۵ء مکہ مکرّمہ میں بحالت احرام وفات پائی، رحمہ اللہ تعالی۔ زیرِ نظر تحریر مرحوم ومغفور کی غالباً آخری مکمل تالیف ہے جو فروری ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔ اب ان کی یادگاری میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ صبیح)

مرزا قادیانی کے کذب کے ہر پہلو پر گزشتہ ایک سو سال میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ تمام لٹریچر کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ لٹریچر کا اکثر حصہ ختمِ نبوّت اور رفع ونزول عیسی علیہ السلام کے موضوعات پر عالمانہ مباحث اور مناظرانہ طرز استدلال پر مبنی ہے جو کہ اہل علم کے لیے ہی فائدہ مند ہے۔ عوام الناس قرآن وحدیث، اقوالِ اکابر، مناظرانہ طرزِ استدلال اور قادیانی تحریروں سے تفصیلی واقفیت نہ رکھنے کے باعث اصل حقائق کا صرف خلاصہ ہی معلوم کر سکتے ہیں جو کہ صرف ایک جملہ پر مشتمل ہے وہ یہ کہ ''مرزا قادیانی کے تمام دعوے جھوٹے ہیں''۔

بنابریں سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ مرزا قادیانی کے کذب کے چند عام فہم دلائل تحریر کیے جائیں تاکہ معمولی پڑھے لکھے احباب بھی استفادہ کر سکیں۔ اللہ جل شانہٗ اس محنت کو اپنی رضا اور قادیانیوں کے ہدایت کا ذریعہ بنا دیں۔ وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم.

کذب مرزا کے عام فہم دلائل اپنی نوعیت وکیفیت اور طرزِ استدلال کے باعث متعدد اقسام میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں، ان میں سے اس وقت ایک خاص قسم کے دلائل تحریر کرنا مقصود ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنی جماعت (جسے وہ سلسلہ احمدیہ کہتا تھا) کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر مبنی ہے اور مخالفین کو چیلنج کیا ہے کہ آؤ میرے سلسلہ کو منہاجِ نبوت پر پرکھو۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

قادیانیت کے منہاجِ نُبوّت پر قائم ہونے کا دعویٰ

حوالہ نمبر ۱: میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بنیاد اس وقت ایک سلسلہ آسمانی کی رکھی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں

ہے۔ یہ سلسلہ بالکل منہاجِ نُبوّت پر قائم ہوا ہے۔ اس کا پتہ اس طرز پر لگ سکتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے سلسلوں کی حقانیت معلوم ہوئی۔ (ملفوظات، جلد: اوّل، ص: ۴۱۲۔ طبع جدید)

حوالہ نمبر۲: پھر عقل کے شیدائیوں کی نسبت فرمایا کہ جس طور سے ہم سمجھتے ہیں اور منہاجِ نبوّت پر یہ سلسلہ چل رہا ہے اس کے بغیر سمجھ نہیں آسکتی یہ لوگ خواہ دہریہ ہوں یا نہ ہوں مگر بے بہرہ ضرور ہیں۔ پاک، زندگی، استقامت، توکل پورے طور پر نصیب نہیں ہوتا اور بڑے دنیادار ہوتے ہیں۔ (ملفوظات، جلد: دوم، ص: ۵۹۵۔ طبع جدید)

حوالہ نمبر۳: ہمارا سلسلہ منہاجِ نبوّت پر ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا اسی طرح ہم کو بھی ان یہود صفت مسلمانوں اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ (ملفوظات، جلد: ۴، ص: ۴۶۲۔ طبع جدید)

حوالہ نمبر۴: (یہود و نصاریٰ) کو چاہیے کہ ہم پر کوئی ایسا اعتراض کریں جو کسی پہلے نبی پر نہ ہوسکتا ہو، چاہیے کہ منہاجِ نُبوّت پر ہمیں پرکھ لیں۔ (ملفوظات، جلد: ۵، ص: ۲۵۷۔ طبع جدید)

حوالہ نمبر۵: میں بار بار کہتا ہوں کہ اگر یہ تمام مخالف مشرق اور مغرب کے جمع ہو جائیں تو میرے پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکتے ہیں جس میں کوئی نبی شریک نہ ہو اور کوئی اعتراض میرے پر ایسا نہیں کہ کسی اور نبی پر وہی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، جلد: ۲۲، ص: ۵۶۵)

حوالہ نمبر۶: اور دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا مجھے نام نہیں دیا گیا سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا میں آدم ہوں، میں نوح ہوں...... میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں یعنی بروزی طور پر......اور میرے نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایا یعنی خدا کا رسول، نبیوں کے پیرایہ میں۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، جلد: ۲۲، ص: ۵۲۱)

حوالہ نمبر۷: کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے وہ سب حضرت رسول کریم ﷺ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے اور اسی لیے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہ ہیں۔ (ملفوظات، جلد: سوم، ص: ۲۷۰ مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی کے ان بلند بانگ دعووں کی وجہ سے ضروری تھا کہ مرزا قادیانی کی ذات، احوال و کردار کو منہاجِ نُبوّت کے پہلو سے بھی پرکھا جاتا چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے احقر نے قلم اٹھایا اور محنت شاقہ سے مطلوبہ مواد جمع کیا ہے۔ احقر کے مخدوم و معلم کے مطابق مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم نے اس موضوع پر ایک کتابچہ لکھا تھا جو کہ نہایت مختصر تھا، احقر نے اس اجمال کی شرح لکھ دی ہے تا کہ قادیانی احباب بھی غور سے پڑھ سکیں، مرزا قادیانی اور قادیانیت کے متعلق دل آزار الفاظ استعمال کرنے سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔ اہلِ علم سے یہ گزارش ہے کہ اس کتابچہ کے بعض عنوانات ممکن ہیں فاضلانہ و متکلمانہ انداز کے موافق نہ محسوس ہوں تو احقر کو معذور تصور فرمائیں۔ احقر نے داعیانہ اسلوب میں قارئین کی ذہنی و علمی سطح پر اتر کر لکھا ہے، البتہ اگر کوئی مضمون صراحۃً غلط ہو تو احقر کو آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے سے کوئی چیز رکاوٹ نہ ہوگی۔ **واللّٰہ الموفق والمعین**

معیار نمبر ۱: انبیاء کرام دنیوی اساتذہ کے شاگرد نہیں ہوتے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی سے علوم ومعارف حاصل کرتے ہیں، ان کا استاد صرف اللہ جل شانہٗ ہی ہوتا ہے۔ حدیث شفاعت میں ہے:

فیقول الانبیاء کلنا نبی اُمی فأنی اینا ارسل (صحیح ابن حبان، جلد:۴، ص:۱۰۸، رقم الحدیث:۶۴۸۹)

ترجمہ پس انبیاء کرام کہیں گے کہ ہم تمام نبی اُمّی ہیں اسے ہم میں سے کس کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اس امر کا اعتراف مرزا قادیانی نے اس طرح کیا ہے۔

''لاکھ لاکھ حمد اور تعریف اس قادر مطلق کی ذات سے لائق ہے کہ جس نے ساری ارواح اور اجسام بغیر کسی مادہ اور ہیولیٰ کے اپنے ہی حکم اور امر سے پیدا کر کے اپنی قدرت عظیمہ کا نمونہ دکھلایا اور تمام نفوس قدسیہ انبیاء کو بغیر کسی استاد اور اتالیق کے آپ ہی تعلیم اور تادیب فرما کر اپنے فیوض قدیمہ کا نشان ظاہر فرمایا''۔

(براہین احمدیہ، حصہ اوّل ص:۷، روحانی خزائن، جلد: اوّل، ص:۱۶)

سب نبی تلامیذ الرحمٰن ہیں۔ (اربعین ۲، روحانی خزائن، جلد:۱۷، ص:۳۵۸ حاشیہ)

جب مسلمانوں کی طرح مرزا قادیانی بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ انبیاء کرام کا کوئی دنیوی استاد نہیں ہوتا تو آیئے اس پیمانہ پر مرزا قادیانی کو بھی پرکھیں، اس لیے کہ اس کا دعویٰ ہے۔

۱۔ خدا تعالیٰ نے میرا نام نبی اور رسول رکھا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن، جلد:۱۸، ص:۲۱۱)

۲۔ میں رسول اور نبی ہوں۔ (نزول المسیح، حاشیہ، ص:۳، روحانی خزائن، جلد:۱۸، ص:۳۸۱)

۳۔ **یٰس انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم.**

اے سردار تو خدا کا مرسل ہے راہ راست پر۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، جلد:۲۲، ص:۱۱۰)

اگر مرزا قادیانی کا دعویٰ درست ہوتا تو یقیناً اس کا بھی کوئی دنیوی استاد نہ ہوتا لیکن ہم اس کے اپنے قلم سے اس کی دنیوی تعلیم کا حال لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا۔ جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا......مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو، ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا ان کو بھی میرے والد نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ

نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔(کتاب البریہ، روحانی خزائن، جلد:۱۳،ص:۱۷۹تا۱۸۱)

مرزا قادیانی کی ہر دو تحریروں سے معلوم ہوا۔

۱۔ انبیاء کرام کسی دنیوی استاد کے شاگرد نہیں ہوتے۔

۲۔ مرزا قادیانی نے دنیوی اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

۳۔ مرزا قادیانی کا دنیوی اساتذہ کا شاگرد ہونا، اس کے کذاب ہونے کی واضح ہے۔

معیار نمبر۲: انبیاء کرام ناپاک خیالات سے پاک ہوتے ہیں

ناپاک خیالات والے خواب آنا شیطانی تصرف سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام شیطانی تصرفات سے پاک ہوتے ہیں اس لیے نہ وہ غلط قسم کے خواب دیکھتے ہیں اور نہ ہی انھیں احتلام ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ما احتلم نبی قط. (طبرانی، الخصائص الکبریٰ، جلد:۱،ص:۱۲۰۔للسیوطی، ناشر مکتبہ حقانیہ پشاور)

اس اصول کی تائید اس قادیانی روایت سے ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیاء کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا کہ چوں کہ انبیاء سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے اس واسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا۔

(سیرت المہدی، جلد: اوّل،ص:۱۴۳،طبع جدید روایت نمبر۱۵۰،طبع جدید)

بلاخوف تردید ہم کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی شیطانی تصرفات سے پاک نہ تھا اس لیے کہ ایک سفر میں اسے احتلام ہوا۔ (سیرت المہدی، جلد: اوّل،ص:۷۵۷،روایت نمبر۸۴۳)

ہم اس سے زیادہ اس دلیل کی کیا تشریح کریں بس یہی کہہ سکتے ہیں۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

(جاری ہے)

not found.

خطبات بہاولپور کا علمی جائزہ......ڈارون کا نظریۂ ارتقاء (قسط:۴)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

ڈارون کا مقام ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں:

محترم ڈاکٹر صاحب نے ڈارون کی منقبت سرائی میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ان کے ریمارکس مختصراً یوں ہیں۔

الف۔ ڈارون نے عربی زبان سیکھ لی تھی۔

ب۔ ڈارون نے اپنے عربی اساتذہ کے نام بڑے احترام سے لیے ہیں۔

ج۔ اس کا نظریۂ ارتقاء دراصل اخوان الصفا اور ابن مسکویہ جیسے حکماءِ اسلام کے نظریات کا چربہ ہے۔

د۔ ان حکماء کو ان کی زندگی میں کافر قرار نہیں دیا گیا تھا، تو ڈارون کے نظریہ کو بھی اسلام کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔ ڈارون کو ملحد اور خدا کا منکر قرار دینا ایک مفروضہ ہے۔

بول چال میں پاکیزہ اور شُستہ زبان کا استعمال یقیناً قابلِ تعریف ہے اور یہ ڈاکٹر صاحب کی خوبی ہے۔لیکن! سوال یہ ہے کہ کیا محض عربی زبان کا سیکھ لینا کسی کو کفر سے بچانے کے لیے کافی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو عربی لغت المنجد کا مصنف ''لویس معلوف'' یقیناً اس دور کا سب سے بڑا مسلمان ہوتا۔ڈارون بیچارے کو تو عربی زبان سیکھنا پڑی، لاکھوں عیسائی اور یہودی عربی زبان میں مہارت رکھتے ہیں اور آج وہ بین الاقوامی شہرت کی حامل یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہندو دھرم کا مشہور بدنام زمانہ مصنف ''پنڈت دیانند سرسوَتی'' عربی زبان خوب جانتا تھا تو ڈاکٹر صاحب ان سب کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

عربی اساتذہ کے نام احترام سے لینا تو ایک طرف رہا، حدیث اور سیرت طیبہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے کہ قیصر روم، ہرقل نے خود نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غائبانہ کس قدر احترام کیا، مگر کیا کسی نے اسے مسلمان قرار دیا؟ مسٹر گاندھی آنجہانی نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعریف کی۔ رئیس الاحرار نے فرمایا: ''پھر انتظار کس چیز کا ہے، کلمہ پڑھ لیجیے''۔اس پر آنجہانی خاموش ہوگئے۔ دِلّو رام کوثری، بھگوان داس، عرش ملسیانی جیسے ہندو شعراء اور سینکڑوں ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر غیر مسلم مصنفین نے بارگاہِ نبوّت میں عقیدت کے پھول نذر کیے، لیکن کیا ان میں سے کسی کو مسلمان قرار دیا جاتا ہے؟ ان صفحات میں گنجائش نہیں ورنہ تو ہم ذرا کھول کر بیان کرتے کہ سچا جاننے اور سچا ماننے میں فرق ہے۔

اخوان الصفا اور ابن مسکویہ جیسے قدیم فلسفہ دان، جنھیں ڈاکٹر صاحب یا اہل علم ''حکماءِ اسلام'' کے گراں قدر خطاب (Title) سے نوازتے ہیں، بڑی ستم ظریفی ہے کہ ڈاکٹر صاحب، ڈارون کو ان کا خوشہ چیں بتا کر ڈارونی نظریہ کو حیات جاوید

اور استحکام بخشنا چاہتے ہیں، ورنہ تو اس نظریہ کو اسلام کے مطابق قرار دینے کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

سب سے بڑا المیہ تو یہ ہے کہ ''حکمت'' اور ''حکیم'' کے قرآنی الفاظ کو بالکل بے محل اور بے جا طور پر فلسفۂ یونان اور اس کے جاننے والوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ فلسفۂ یونان نے بلاشبہ انسانی معاشرہ کو بہت سی مفید اور کارآمد چیزیں بھی دیں، لیکن اس کا ایک بڑا حصہ اوہام اور مفروضات پر مشتمل ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق:

الف۔ مادہ قدیم ہے۔

ب۔ الواحد لا یصدر منه الا الواحد۔

ج۔ واجب الوجود نے صرف عقلِ اوّل کو پیدا کیا۔ عقلِ اوّل نے عقلِ ثانی اور فلک اوّل کو پیدا کیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے عقل تاسع نے عقل عاشر اور فلک تاسع کو پیدا کیا۔ پھر عقل عاشر نے باقی ساری کائنات کو پیدا کیا۔

د۔ ان فلاسفہ نے افلاک کی جو ہیئت بیان کی ہے، آج پڑھے لکھے بچے بھی اسے سنتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں: ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

ھ۔ افلاک خرق والتیام کو قبول نہیں کرتے۔ وغیر ذلک من الخرافات۔

''حکمت'' کا لفظ قرآن کریم میں تقریباً بیس مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس سے ''علوم نبوّت'' مراد ہیں نہ کہ یونانی فلسفہ۔ بڑا ظلم ڈھاتا ہے اور تفسیر بالرائے کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے وہ شخص جو قرآن کریم کے لفظ ''حکمۃ'' سے یونانی طب یا یونانی فلسفہ مراد لیتا ہے۔ اس فلسفہ کی بڑی بڑی کتابیں آج بھی مدارس عربیہ میں پڑھائی جا رہی ہیں، طلبہ ان کو رٹ لیتے ہیں، بلکہ دیمک کی طرح چاٹ لیتے ہیں، مگر حاصل ندارد۔ یہ بیچارے اتنا بھی نہیں بتا سکتے کہ چراغ کو پھونک مارو تو بجھ جاتا ہے، مگر چولھے میں ہوا کرو تو آگ جل اٹھتی ہے۔ کیا وجہ ہے؟ آدمی سائیکل پر سوار ہو کر کھڑا رہنا چاہے تو سہارے کے بغیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ گر پڑتا ہے، مگر پیڈل مارتا ہوا آگے حرکت کرتا ہے تو یہ جا، وہ جا۔ اس میں کیا راز ہے؟

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ''حکمت'' اور ''حکیم'' کا لفظ قرآن مجید سے چرا کر یونانی فلاسفہ اور ان کے پیروکاروں پر چسپاں کر دیا گیا، چلئے ''دانایاں درپئے الفاظ نمے روند'' کے تحت ہم اس بات کو چھوڑتے ہیں، مگر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا کہ ان فلاسفۂ یونان یا دانایانِ فرنگ کے منہ اور قلم سے نکلی ہوئی ہر بات کو سر پر رکھنا اور آنکھوں سے لگانا ضروری ہے؟

اخوان الصفاء دراصل چند لکھے پڑھے لوگوں کی ایک جماعت کا نام ہے، جس نے اعتزال کی کوکھ سے جنم لیا اور شیعیت کی گود میں پرورش پائی۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ معتزلہ نے اپنے لیے ''اصحاب العدل والتوحید'' کا ٹائٹل منتخب کیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے لیے ''اھل الصفاء والایمان'' کا لقب چنا، جو شدہ شدہ ''اخوان الصفاء'' بن گیا۔ ''رسائل اخوان الصفاء'' ۵۲ مختلف مقالات کا مجموعہ ہے، جن میں مصنفین نے اپنے نقطۂ نگاہ سے الٰہیات اور دیگر عنوانات پر گفتگو کی ہے۔ جو لوگ فرقۂ اسماعیلیہ (قرامطہ) کی تاریخ سے واقف ہیں، انھیں مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے حسن بن صباح کی سرکردگی میں دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ قلعۂ المَوت کی فردوس بریں بھی اسی کا کارنامہ ہے۔ شاید ان لوگوں کی یہی ''اسلام دوستی'' ہے جس کی بنا پر گولڈزیہر جیسے متعصب مستشرق نے ان کے حالات میں دلچسپی

لی۔ علماءِ اسلام نے ان کے بارے میں کیا کہا، یہ ایک تفصیل طلب کہانی ہے۔ پھر تو پہلے ان لوگوں کے عقائد کا بیان کیا جائے اور اس کے بعد علماءِ اُمّت کی آراء کا ذکر ہو۔

ابن مسکویہ (جس کو مسکویہ کہنا زیادہ صحیح ہے) بھی چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوا۔ وہ ابونصر فارابی کا شاگرد تھا۔ شروع میں امراءِ سلطنت کے ہاں ملازم رہا۔ پڑھنے لکھنے کا شوقین تھا۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کا شارح بن کرا بھرا۔ اس نے بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ الرئیس بوعلی ابن سینا اور بعض دوسرے مصنفین اسے ایک کیمیا دان (Chemist) قرار دیتے ہیں کہ یہ پارس کے پتھر کی تلاش میں پھرتا رہتا تھا۔ اب اخوان الصفاء ہوں یا ابن مسکویہ، یونانی فلسفہ کے ترجمان اور شارح کی حیثیت سے آپ ان کو جتنا اونچا مقام دیں، آپ جانیں اور آپ کا کام، سوال یہ ہے کہ کتاب وسنت کے شارح، فقہ اسلامی کے ماہر اور فلسفۂ اسلامیات کے رمز شناس کی حیثیت سے بھی ان کا نام لیا جا سکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ تو پھر آپ اسلامیات کے طالب علم کو ان کا راستہ کیوں دکھاتے ہیں؟

ما قصۂ اسکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپُرس

نظریۂ ارتقا کا خلاصہ:

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق نظریۂ ارتقا کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

۱۔ خدا نے پہلے مادہ کو پیدا کیا۔
۲۔ وہ مادہ ترقی کرتے کرتے بخار یا دھواں بن گیا
۳۔ اس دھویں نے ترقی کرتے کرتے پانی کی شکل اختیار کر لی۔
۴۔ وہ پانی ترقی کرتے کرتے جمادات میں تبدیل ہوا۔
۵۔ جمادات ترقی کرتے کرتے مختلف اشیاء اور بالآخر مرجان بنیں۔
۶۔ جمادات کے بعد نباتات کا سلسلہ شروع ہوا۔
۷۔ نباتات کے بعد ادنیٰ ترین حیوان بنا۔
۸۔ ادنیٰ ترین حیوان نے ترقی کرتے کرتے بندر کی شکل اختیار کر لی۔
۹۔ بندر ترقی کرتے کرتے ادنیٰ قسم کا انسان بنا۔
۱۰۔ ادنیٰ انسان ترقی کرتے کرتے ولی اور پیغمبر بنا۔
۱۱۔ ولی اور پیغمبر ترقی کرتے کرتے فرشتہ بنا۔
۱۲۔ فرشتوں کے بعد خدا کی ذات ہوتی ہے۔

یوں ہر چیز خدا سے شروع ہو کر خدا ہی کی طرف جاتی ہے۔ ''و الیه المرجع والمآب''۔

بات پہلے ہی خاصی طویل ہوگئی ہے۔ اب اگر ہم ڈاکٹر صاحب کے ارشادات کا تفصیلی جائزہ لیں تو نہیں کہا جا

سکتا کہ معاملہ کہاں تک پہنچ جائے گا۔ اس لیے ہم قارئین سے معذرت کے ساتھ چند ہی نکات پر قناعت کریں گے۔ و اللّٰہ یھدینا السبیل۔

۱۔ کیا انسانی تخلیق فرشتوں سے پہلے ہوئی؟

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ انسانوں کی ترقی یافتہ نوع (ولی اور پیغمبر) سے فرشتہ بنا۔ اب قطعِ نظر اس سے کہ اللہ کے نزدیک انسان کا مرتبہ و مقام بلند ہے یا فرشتہ کا، اتنا تو قرآنی تصریحات سے ثابت ہے کہ آدم کی تخلیق فرشتوں کے بعد ہوئی۔ چنانچہ فرمایا گیا: ’’اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی خَالِقٌ م بَشَراً‘‘۔ (سورۂ الحجر: ۲۸)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔‘‘

یہ الفاظ دو جگہ آئے ہیں ایک سورۂ حجر، آیت: ۲۸ اور دوسرے سورۂ ص، آیت: ۷۱ اور یہی مضمون دوسرے لفظوں میں اور بھی کئی جگہ آیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو علمِ حدیث سے مناسبت ہے تو حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بھی نظر انداز کر دیا کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہوئی اور انسانوں کی مٹی سے۔ (مسلم)

اور ہاں یہ بھی غور طلب ہے کہ کافروں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس بات کا اعتراف رہا کہ وہ بشر ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا:

مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (سورۂ ہود: ۲۷)، وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَ ھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلاً۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۹۴)، قوم ثمود نے کہا تھا: اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗ۔ (سورۂ القمر: ۲۴)، تو کیوں نہ ایسے مواقع پر کفار کو یہ جواب دیا گیا: نادانو! انسانوں کی ایک کھیپ ترقی کر کے فرشتوں میں بدل گئی ہے، آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا، ولی اور پیغمبر Develop ہو کر فرشتے بنتے رہیں گے۔ وقت آنے پر یہ ہو جائے گا، تم ایمان تو لے آؤ؟ الٹا ان سے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ دیکھو ہمیشہ انسان ہی نبی بن کر آتے رہے اور وہ انسان ہی رہے۔ اسی حالت میں وہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ تمھارا یہ اعتراض غلط اور عبث ہے۔ اسے واپس لے لو۔

۲۔ کیا انسانی تخلیق کوئی امتیازی شان رکھتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب تو یہ فرما کر فارغ ہو گئے کہ ’’بندر سے انسان بنا‘‘ گویا یہ تمام ارتقائی مراحل Automatically طے ہوتے رہے، لیکن وہ اس قرآنی تصریح کا کیا کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے پر جواب طلبی کی تو فرمایا:

مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ (ص: ۷۵)

ترجمہ: ’’تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو اس کو سجدہ کرتا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔‘‘

اس میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ رب العزت نے یہ جو فرمایا کہ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اس سے انسانی تخلیق کی امتیازی شان کا اظہار مقصود ہے۔ اللہ کی ذات بے چون و بے چگون

ہے، اسی طرح اس کے افعال بھی انسانی فہم سے بالاتر اور بے مثال ہیں۔ اس کی کوئی وضاحت تو نہیں کی جاسکتی، اتنا بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی پیدائش کسی ارتقائی مرحلہ کے طور پر نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا براہِ راست کوئی شاہکار ہے۔

اس کی مزید تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جو بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسرے بہت سے کبار محدثین نے نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خَلَقَ اللّٰہُ اٰدمَ علیٰ صُوْرَتِہٖ'' (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۳۲۷)۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ البتہ اس بارے میں شارحین کے دو قول پائے جاتے ہیں کہ صورتہ کی ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بیشتر علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مرجع آدم کا لفظ ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام جس شکل وصورت کے ساتھ زمین پر رہتے تھے، شروع سے ان کی تخلیق اسی شکل وصورت میں ہوئی۔ اسی سے وہ بہشت میں رہے، اسی سے وہ دنیا میں تشریف لائے اور اسی پر ان کی وفات ہوئی۔

(نووی شرح مسلم، ج:۲، ص:۳۲۷، اور فتح الباری شرح بخاری)

محدثین کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''ہٗ'' ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی۔ اور اضافت تشریفیہ ہوگی (اضافت تشریفیہ کا مطلب قارئین پوری طرح سمجھ لیں کہ مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف میں بھی عظمت اور برتری آجائے۔ مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سواری کا کام دیتی تھی۔ بیت اللہ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمھاری طرح اس گھر میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں، بلکہ اللہ کی طرف مضاف کر کے اس اونٹنی اور اس گھر کی عظمت شان کا اظہار مطلوب ہے۔ اسی طرح ''اللہ کی صورت'' سے مراد اس صورت کا عظیم الشان اور برتر ہونا بتایا گیا ہے اور بس) دونوں میں سے جو بھی قول لیا جائے، ڈارونی نظریہ ھباءً منثورا ہوجاتا ہے۔ پہلے قول کے مطابق تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی کہ حضرت آدم علیہ السلام شروع ہی سے معروف انسانی شکل پر پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نسلِ انسانی کے باوا کی عظمت ان الفاظ میں بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی شکل پر پیدا فرمایا۔ اب کسی کی کیا مجال کہ وہ انسان کو ترقی یافتہ بندر قرار دے؟ العیاذ باللہ

حدیث بالا میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں تھا۔ رہ گئی ان کی نسل اور اولاد تو قرآن مجید میں اس کے متعلق نہایت واضح طور پر فرمادیا گیا ہے: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَاءُ'' (سورۂ آل عمران:٦)

ترجمہ: یعنی وہ اللہ ہی جس طرح چاہتا ہے ماؤں کی رحموں میں تمھاری صورتیں بنادیتا ہے۔

ایک طرف اللہ رب العزت کا فرمان گرامی ہے جو الخالق، الباری، المصور ہے۔ دوسری طرف قدیم فلاسفہ یا مسٹر ڈارون کے بے سروپا نظریہ ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا، وہ حقیقت ہے اور ڈارون نے جو کچھ کہا، وہ محض (THEORY) ہے۔ حقیقت کے مقابلے میں نظریے کی رٹ لگائے جانا محض اَبلہ فریبی اور سَفسَطہ پردازی ہے۔

قُلْ أَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰہُ۔ (سورۂ بقرہ:۱۴۰)

۳۔ کیا نبوت ایک کسبی چیز ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے یہ کمال کر دیا ہے کہ ادنیٰ انسان کو پیغمبر کے درجے تک پہنچا دیا۔ گویا ان کی رائے میں پیغمبر Promote ہوتا ہے۔ یعنی ایک عام آدمی نیکی میں ترقی کرتے کرتے ''نبی'' کا درجہ حاصل کر سکتا ہے، حالانکہ علماءِ اُمّت کے نزدیک نبوّت کسبی شے نہیں، محض اور محض وہبی چیز ہے۔ ہر نبی (Selected) منتخب ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (سورۃ الحج:۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغامبروں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

۴۔ کیا نظریۂ ارتقا کا تعلق اللہ کی ذات سے بھی ہے؟

بیچارے ڈارون یا اس نے نظریۂ ارتقا، جو کچھ بھی بیان کیا تھا، اس کا تعلق صرف مخلوق سے تھا۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے غضب یہ ڈھایا کہ خالق یعنی اللہ کی ذات سے بھی اس کا تعلق جوڑ دیا۔ قارئین خود ہی سوچیں کہ ''فرشتوں کے بعد خدا ہی کی ذات ہوتی ہے''۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

پھر صاحب موصوف نے ''الیہ المرجع والمآب'' کا عربی جملہ یوں فٹ کیا ہے کہ گویا یہ کوئی قرآنی آیت ہے اور وہ اپنے مؤقف کی تائید میں اسے یہاں نقل فرما رہے ہیں۔

نظریۂ انقلاب اور قرآن کریم:

یہ تو ایک مسلّمہ ہے کہ نسل انسانی کو پیدائش کے سلسلہ میں کئی ایک انقلابی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب اس (Evolution Theory) نظریۂ انقلاب کی ایک تشریح اور تعبیر وہ ہے جو قدیم سے مفسرین اور دیگر علماءِ اُمّت کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ تشریح قرآن پاک کی سورۂ مؤمنون آیات نمبر ۱۲ تا نمبر ۱۴ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ اس کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

''مٹی کے جوہر یعنی غذا سے نطفہ بنا۔ نطفہ سے خون کا لوتھڑا۔ لوتھڑے سے گوشت کا ٹکڑا یعنی بوٹی۔ بوٹی پر ہڈیوں کا اضافہ ہوا۔ ہڈیوں کو گوشت کا لباس ملا۔ پھر اس میں ایک اور تخلیقی اضافہ ہوا یعنی اس میں روح پھونکی گئی۔''

انقلاب کی دوسری تشریح اور تعبیر وہ ہے جو ڈارونی نظریہ سے اتفاق کرنے والے بعض جدید علماء نے کی۔ پیچھے اقتباس نمبر ۱۰ میں قرآنی آیت ''خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا'' کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب کا فرمان نقل ہو چکا ہے کہ:

''خدا نے انسان کو طور بہ طور پیدا کیا۔ اس کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا نے انسان کو اوّلاً جمادات کی شکل میں بنایا۔ پھر وہ جمادات ترقی کرتے ہوئے نباتات بنتے ہیں، پھر حیوان بنتے ہیں۔''

آیئے، ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے، ہم اس گتھی کو سلجھانے کے لیے خود خالقِ کائنات کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ درج ذیل تین سوالات ذہن میں رکھیے:

۱۔ بنی نوع انسان کا آغاز کس طرح ہوا؟

۲۔ آگے یہ سلسلہ کیونکر چلا؟

۳۔ تطوّرات یعنی تخلیقی انقلابات کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں؟

پہلے سوال کا جواب ہمیں ان الفاظ میں ملتا ہے: ''خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ''۔(سورۂ نساء:۱،اعراف: ۱۸۹،سورۂ زمر: ۵) بنی نوع انسان کا آغاز فردِ واحد سے ہوا۔ یہ کسی اور حیوانی مخلوق کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ ایک منصوبہ بندی کے تحت، دستِ قدرت نے خاکی عنصر سے اس کا پُتلا تیار کیا: ''خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ''۔ پھر اس میں نہایت اعلیٰ اور ارفع شان کی روح پھونکی: وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ''۔اس طرح ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام وجود میں آئے۔

دوسرے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا کہ حضرت آدم کے فطری اور طبعی تقاضا کے مطابق ان کی رفیقۂ حیات (حضرت حواء) کوانھی کی جنس سے پیدا فرمایا۔''وَ خَلَقَ مِنْها زَوْجَها ''(سورۂ نساء:۱)،''جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَها ''(سورۂ اعراف:۱۸۹،سورۂ زمر:۶)۔اس کے بعد فرمایا کہ پھر ان دونوں کے میل ملاپ سے نسلِ انسانی کا سلسلہ چلا: ''وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَاءً ''(سورۂ نساء:۱) حقیقت یہ ہے کہ اس قرآنی بیان نے ڈارونی نظریہ کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔

رہا تیسرا سوال کہ تخلیقی انقلابات کب اور کہاں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو اس بارے میں قرآن یہ کہتا ہے:

''یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ''(سورۂ زمر:۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل دے کر تین اندھیروں میں بناتا ہے۔

مفسرین نے تین اندھیروں کی وضاحت اس طرح سے کی ہے کہ ایک تو بچے کے اوپر ایک جھلی چڑھی ہوئی ہوتی ہے، پھر وہ بچہ رحم کے اندر ہوتا ہے۔رحم کے اوپر شکم مادر کی تاریکی ہوگئی۔اس آیت میں بالکل صراحت فرما دی گئی کہ نطفہ سے لے کر آدم زاد بننے تک جتنے بھی تطوّرات سے واسطہ پڑتا ہے اور جتنے بھی مراحل گزرتے ہیں، یہ سب مراحل ماں کے پیٹ ہی میں طے ہوتے ہیں۔انھی تخلیقی مراحل کو دوسرے مقام پر ''خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا '' سے تعبیر کیا گیا ہے۔تو اس آیت کی ماڈرن تفسیر...... کہ جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوانات، حیوانات سے ایک اعلیٰ قسم یعنی بندر، اور بندر سے انسان بننے کے انقلابات مراد ہیں، اسے ہم ڈارونی نظریہ کو قرآنی ثبوت مہیا کرنے کی سعی ناکام اور کوششِ رائیگاں کا نام تو دے سکتے ہیں۔اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تفسیر ماجدی میں لکھا ہے کہ الٰہ آباد کے ایک نامور و ممتاز ہندو ڈاکٹر، در پردہ مسلمان ہو گئے تھے اور اسی آیت کی بنا پر قرآن کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔کہتے تھے ایک اُمّی عرب کے لیے اس گہری طبّی حقیقت سے، آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے واقف ہو جانا ناممکن تھا۔

قرآن کریم کوئی (Biology) حیاتیات کی کتاب نہیں ہے۔مقامِ حیرت ہے کہ اغیار تو اس کے انکشافات کو پڑھ کر سر دُھنتے رہیں اور اپنوں کا یہ حال کہ غیروں کی خاطر قرآنی تشریحات کو بدل دی۔فیاللعجب!

دو توجہ طلب باتیں:

۱۔ آپ پیچھے پلٹ کر اقتباس نمبر ۹ اور ۱۰ کو پڑھیے۔ڈاکٹر صاحب نے نظریۂ ارتقا کے مخالفین پر ایک پھبتی کسی: ''ہمارا تصور یہ ہے کہ اللہ ایک کمہار کی طرح مٹی کو لیتا ہے اور اس کی مورت بناتا ہے۔اس میں روح پھونکتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بن جاتے ہیں۔''

استہزاء اور مخول کا یہ انداز ایک سنجیدہ اسکالر کو زیب نہیں دیتا اور پھر عجیب تر یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس کے بعد معاً فرماتے ہیں:

''ممکن ہے، ایسا ہوا ہو۔ میں انکار نہیں کرتا۔''

اب کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! جس چیز کو اپنے طنزِ لطیف کا نشانہ بناتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ دبے لفظوں میں آپ اس کی تائید شروع کر دیتے ہیں؟ آج تک تو ہم یہی سنتے آ رہے ہیں کہ: ''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ''۔ اللہ کی ذات بے چون و بے چگون ہے۔ کبھی کسی عالم نے اس ذات کبریا کو ''کمہار'' سے تشبیہ دینے کی جرأت نہیں کی۔ آپ اس کے روادار کیونکر ہو گئے؟

(۲) قارئین کو ایک مرتبہ ہم پھر زحمت دیں گے کہ وہ مڑ کر اقتباس نمبر ا کو ملاحظہ فرمائیں اور اس نرالی منطق کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آتی ہو تو ہمیں اس کے سننے کا انتظار رہے گا۔ فرماتے ہیں:

''ڈارون کے نظریے کو اسلام نے رد کر دیا ہے۔ اس کو ثابت کرنا آپ پر فرض ہے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ یہ اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔''

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر فریق ثانی کتاب وسنت کی روشنی میں ڈارونی نظریہ کا غلط ہونا ثابت کر دے تو پھر بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ اسلام کے موافق ہے یا مخالف؟ جب فریق ثانی نے اپنا مؤقف دلائل سے ثابت کر دیا تو پھر دیکھنے اور سوچنے کی کیا گنجائش؟

جو لوگ اپنے دین وایمان کو ڈارونیت پر وار دینا چاہتے ہیں، ہم ان سے خیر خواہانہ التماس کریں گے کہ اخوان الصفاء ہوں یا ابن مسکویہ، ڈارون ہو یا ارنسٹ ہیکل ان میں سے کوئی بھی تخلیقِ کائنات کے وقت اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نہ تھے اور ان میں سے کوئی خالقِ کائنات کا شریک کار نہ تھا:

''مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا۔'' (سورۂ کہف: ۵۱)

ترجمہ: نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کرتے وقت میں نے انھیں بلا لیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت (اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور میں گمراہ کن لوگوں کو اپنا دست و باز و بنا تا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

جب یہ صورت ہے تو ڈارون کے پیروکار محض ظن وتخمین کے پیچھے چل رہے ہیں:

''اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔'' (سورۂ النجم: ۲۸)

ترجمہ: ''وہ محض اٹکل پر چل رہے ہیں جب کہ حق کے مقابلہ میں اٹکل پچّو کچھ بھی کام نہیں دے سکتی''۔

تو انھیں چاہیے کہ ظنون واوہام کو چھوڑیں اور حق کا اتباع کریں۔

ہم دیانت داری کا تقاضا سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کا برملا اظہار کر دیں کہ نظریۂ ارتقا کی تائید میں ڈاکٹر صاحب اکیلے نہیں ہیں بلکہ بعض دوسری دراز قامت شخصیتیں بھی ان کی ہم نوا ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کے علم وفضل میں کس کو کلام ہے؟

انھوں نے ابن مسکویہ کی ''الفوز الاصغر'' سے عربی عبارات نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ڈارون اس نظریہ کا بانی اور موجد نہیں ہے۔ صدیوں پہلے یہ نظریہ پیش کیا جا چکا تھا۔ ایک دوسرے بزرگ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو جگہ دی اور کافی شدّ ومد سے اس کو بیان کیا، لیکن ہم گنہگاروں کی وہی ایک بات:

''**ایتونی بشیء من کتاب اللّٰہ او سنۃ رسول اللّٰہ حتیٰ اقول بہ**''

جس چیز کی تائید اللہ کے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے نہیں ہوتی بلکہ تردید ہوتی ہے، وہ دیوار میں دے مارنے کے قابل ہے۔ **فاضربوہ بالحائط**۔ ہمیں امام عالی مقام سیدنا ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان بھی یاد ہے: **اترکوا قولی بخبر رسول اللّٰہ ﷺ**۔

مخالف حدیث ہونے کی صورت میں حضرت الامام کا قول چھوڑ دیا جائے گا۔ بیچارے ابن مسکویہ یا ڈارون کون ہوتے ہیں؟ **ھذا ما اعتقدنا واللّٰہ نسأل حسن الخاتم**۔ جہاں تک ان بزرگوں کا تعلق ہے، ہم ان کے بارے میں کسی سوءِظن یا بدزبانی کے قطعاً روادار نہیں۔ اپنے علم کی رو سے وہ حضرات، ہمارے قلبی احترام کے مستحق ہیں، مگر سیدنا فاروقِ اعظم کے اس فرمان سے چشم پوشی نہیں کر سکتے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

تین چیزیں، اسلام کی رونق کو پامال کرتی ہیں: عالم کی لغزش، منافق کی کج بحثی اور گمراہ کن فرماں رواؤں کا اقتدار۔ **اعاذنا اللہ من شرھا**

''**تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ**۔ (سورۃ الانعام: ۱۱۵)

(جاری ہے)

found.

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

مبصر: صبیح ہمدانی

نام: نعم الوجیز فی إعجاز القرآن العزیز (عربی)　　**تالیف: حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی**

تحقیق وتعلیق: مولانا مفتی محمد عبداللہ شارق　　**ضخامت: ۶۷۰ صفحات**　　**قیمت: درج نہیں**

تقسیم کار: کتب خانہ مجیدیہ، اردو بازار بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان 03007309593

حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی قدس سرّہٗ علمائے دین کی جماعت میں اس درجے کے بزرگ تھے جن کو آیۃ من آیات اللہ کہا جاسکتا ہے۔ ان کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کی ایسی تجلی فرمائی تھی کہ زمانے کو کم کم ہی ویسی تجلی یکجا نصیب ہوئی ہے۔ حضرت قدس سرہ نے روایتی وغیر روایتی علوم وفنون میں بیش بہا تصانیف وتالیفات سے امت کے علمی خزانے کے اعتبار کا اضافہ کیا۔ تفسیر، حدیث، عقائد، بلاغت، طب، فلسفہ، منطق اور طبیعیات سے لے کر کیمیا وسیمیا وتمائم وتعویذات تک ان کی تصانیف کے موضوعات مختلف اور متعدد ہیں، اور ان کے قاری کو ان موضوعات پر ان کی غیر معمولی مہارت اور دسترس دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت پر بے ساختہ ایمان بڑھ جاتا ہے۔ معجزہ گر نیست کرامات ہست! حضرت مولانا رحمہ اللہ کی تصانیف کچھ شائع بھی ہوئیں مگر ان کی ایک بڑی تعداد ابھی مخطوط حالت میں ہے، اور جو شائع ہوئیں وہ بھی مضبوط علمی خدمت کی طلب گار ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اعجاز القرآن کے موضوع پر مولانا پرہاروی رحمہ اللہ کی ایک نسبتاً مختصر تالیف ہے۔ جس میں بلاغت کے اصولوں کے اعتبار سے نظمِ قرآنی کا ایک شاندار مطالعہ کیا گیا ہے۔ جسے ہمارے محترم دوست اور معروف عالم دین جناب مفتی محمد عبداللہ شارق صاحب زید مجدہ نے اپنی تحقیق وتدوین سے آراستہ کیا ہے۔ حضرت مولانا پرہاروی رحمہ اللہ کی آراء اور ان کی علمیت کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ مفتی صاحب نے متنِ کتاب کے شایانِ شان علمی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ راقم الحروف کو حضرت مولانا رحمہ اللہ کی کچھ تصنیفات کے محقق ایڈیشن دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے مگر ایسی سنجیدہ اور عمیق عالمانہ تحقیقی تعلیقات پڑھنے کی سعادت پہلی بار ملی ہے۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ حضرت مولانا پرہاروی کے علوم کی خدمت مکرّم بندہ مفتی عبداللہ شارق صاحب ہی عمدہ طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کے جدّ امجد حضرت خواجہ عبیداللہ ملتانی کو حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوری اور حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ ملتانی رحمہما اللہ کے جس مرکز علم وعرفان سے فیض ملا حضرت مولانا پرہاروی رحمہ اللہ بھی اسی بارگاہ کے مستفیدوں میں سے تھے۔

مولانا مفتی عبداللہ شارق صاحب کی تعلیقات دیکھ کر ان کے مطالعے کی وسعت وگہرائی پر ایک بار پھر رشک آیا۔ کتاب میں کئی مقامات پر ان کی تعلیقات مختلف علمی مباحث میں ان کی آراء کی مضبوطی اور ان کے علم کی گہرائی کا دلیلِ محکم ہیں، مثلاً صفحہ ۷۵-۷۴ پر بدل اور عطفِ بیان کے درمیان فرق کی نحوی بحث سے متعلق، صفحہ ۷۸ پر غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا اور

قرآن مجید میں وارد ہونے والی وہ قسمیں جہاں ماسوا اللہ کی قسم کھائی گئی ہے، ان سے متعلق، صفحہ: ۹۷ پر قرآنِ مجید میں تکرارِ موضوعات ومفاہیم کے فوائد سے متعلق اور خاص طور پر کتاب کے تقریباً اختتام میں صفحہ ۱۶۶ پر آیات وسور کے باہمی ربط وتعلق کے مبحث میں ان کی محققانہ ومومنانہ تعلیقات قابلِ مطالعہ واستفادہ ہیں۔

مولانا عبداللہ شارق صاحب کے قابلِ رشک علمی مواقف میں سے ان کا قرآنِ مجید کے مقصدِ نزول سمجھنے اور اپنے علمی ذوق کو اسی کے مطابق تراشنے پر اصرار ہے۔ وہ اپنی کئی تحریرات اور زبانی گفتگوؤں میں اس بات پر توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن مجید پر اپنی پسند ناپسند اور اپنے ذوق (خواہ وہ سیاسی ہو یا علمی) کو تھونپنا اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ احوال سے پہلو تہی کرنا ہے۔ اس حوالے سے اس کتاب میں ہی شامل ایک مختصر تعلیق کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ مصنف نے فرمایا: آزر حضرت ابراہیم کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ مولانا عبداللہ شارق اس پر تعلیق لکھتے ہیں:

”یہ سیوطی کا مذہب ہے جو انھوں نے انبیاء کے والدین کے مؤمن ہونے کے مسئلے میں اختیار کیا ہے، جیسا کہ مصنف اپنی ہی دوسری کتاب [السلسبیل فی تفسیر کتاب العزیز۔ مخطوط] میں بصراحت اس مذہب کو سیوطی کی طرف منسوب کر چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس مسئلے میں صحیح بات یہی ہے کہ ظاہرِ آیت سے انحراف نہ کیا جائے جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے بھی ہے۔ البتہ جو مذہب بعضوں نے اختیار کیا ہم اسے ناممکن بھی قرار نہیں دیتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنی توجہ کو مکمل طور پر اس بات کی طرف پھیرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ ان آیات میں ہم پر دراصل کھولنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ بات کہ آدمی کو اپنی کوشش کا بدلہ ہی ملے گا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی زور نہیں ہے، نیز یہ کہ دربارِ الٰہی میں معافی حاصل کرنا صرف نسب کے ساتھ بندھا ہوا نہیں۔ ہم سے یہ مطلوب نہیں ہے کہ ہم اپنے دلوں کو اسی بحث ومباحثے میں لگائے رکھیں کہ آزر کو جو ابراہیم علیہ السلام کا والد کہا گیا تو اس سے مراد نسبی باپ ہونا ہے کہ پرورش کے اعتبار سے باپ ہونا۔ اس لیے کہ قرآن ایسے جھگڑوں کے فیصلے یا ان باتوں کے بیان کے لیے نازل ہی نہیں ہوا۔ اور اس لیے بھی کہ اس طرح کی بحثوں میں لگنے سے (فہم قرآن کا) اصل مقصد فوت ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔ ہمارے ذمے یہ ہے کہ جب ہم اس طرح کی آیات پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کے مقصد ومطلوب میں تدبر کریں (کہ یہ آیت نازل فرمانے سے ان کا ارادہ کیا ہے) اور اپنی نظر کو اسی مقصد سے جوڑ کر اپنے دل کی توجہ بس اسی میں رکھیں، جو باتیں غیر متعلق ہیں ان کو چھوڑ دیں“۔

ایک بہت اہم نکتہ جو قارئین کی توجہ کا مستحق ہے وہ یہ کہ مدارس اسلامیہ میں علمِ بلاغت پڑھانے کی علّت یہی ہے کہ قرآن کریم کے اعجازِ بلاغی کا ادراک نصیب ہو، مگر جتنی کتابیں عام طور پر اس فن میں متداول ہیں ان میں قرآنی کلمات کو بطور مثال پیش کرنے کا چلن بالکل نہیں ہے۔ جب کہ یہ کتاب اگر چہ بذات خود بلاغت کے فن کی درسی کتاب نہیں ہے مگر ایک عمدہ ترتیب کے ساتھ فنون بلاغت کا بیان ضرور کرتی ہے، اور مثال میں ہر مقام پر قرآنِ مجید کی آیات کو ہی پیش کیا گیا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ اس کتاب کو ہمارے درسی نصاب ونظام میں رواج ملے اور طالبعلموں کو علمِ بلاغت کا صحیح فہم حاصل ہو سکے۔

کتاب کا ٹائٹل خطّاطِ شہر استاد محترم اعجاز شاہد مدظلہ نے لکھا ہے۔ اگر چہ اشاعتِ کتاب میں مزید تحسین کی گنجائش تھی (بالخصوص ورق کی عمدگی اور طباعت کی لطافت کے باب میں) مگر یہی کیا کم غنیمت ہے کہ اس طرح کی عمدہ کتابیں نہ صرف شائع ہوتی ہیں بلکہ ملتان جیسے شہر میں بھی ان کے سرورق پر ثلث، نسخ، رقعہ اور دیوانی جیسے خطوط میں خطاطی کی جاتی ہے، اور وہ بھی اس زمانے میں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مؤلف ومحقق اور قاری کو اپنی مرضیات سے نوازیں۔

متلاشیانِ حق کے لیے دعوت فکر وعمل

مکتوب نمبر:۸

ڈاکٹر محمد آصف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزی احمدی دوستو!

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللّٰہ کذباً اور کذب بایاتہ انہ لایفلح الظالمون

ترجمہ: ''پھر (تم ہی بتاؤ کہ) جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کے نشانات کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا (غرض) یہ یقینی بات ہے کہ مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔'' (سورت یونس آیت نمبر 18 ترجمہ تفسیر صغیر، مرزا بشیر الدین محمود)

اسی سورت یونس کی آیت نمبر 70 تا 71 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''تو (ان سے) کہ جو (لوگ) اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوتے۔ دنیا میں (ان کا حصہ صرف چند روز کے لیے) نفع اٹھانا ہے پھر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہوگا۔ پھر اس عرصہ سے کہ وہ کفر کرتے (چلے جاتے ہیں) ہم انہیں سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔'' (سورۃ یونس آیت 70 تا 71 ترجمہ تفسیر صغیر، مرزا بشیر الدین محمود)

ان آیات کریمہ میں ایک تو بیان ہوا کہ اللہ پر افتراء کرنے والا نقصان میں ہی رہے گا آخرت میں اس کی فلاح نہیں ہوسکے گی بلکہ سخت عذاب دیا جائے گا ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمادیا کہ ضروری نہیں ہر مفتری کو دنیا میں ہی عذاب دے دیا جائے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں عیش وعشرت کے ساتھ رہے لیکن آخر کار اسے لوٹ کر تو اللہ کی طرف ہی جانا ہے پھر وہاں اسے اس کے افتراء پر عذاب شدید ہوگا۔

الغرض! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کے لیے وعیدیں بہت سی آیات میں وارد ہوئی ہیں اور صریح طور پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ اسی طرح حضور نبی کریمؐ پر جھوٹ بولنے والے کے لیے بھی سخت وعیدیں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی ایسے الفاظ جو رسول اللہ ﷺ کے نہ ہوں اور انہیں آپ کی طرف منسوب کر دیا جائے تو اس بارے میں آپ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

دوستو!

نبی کریمؐ کا یہ فرمان مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری ومسلم اور دوسری کتب حدیث میں متعدد بار مروی ہے کہ:

ترجمہ: ''جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر 110، صحیح مسلم حدیث نمبر 3)

نیز امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
ترجمہ: ''آخری زمانے میں بہت سے دجال اور کذاب پیدا ہوں گے وہ ایسی حدیثیں تم کو سنائیں گے جو تمہارے باپ دادا نے نہیں سنی ہوں گی پس تم ان سے دور رہنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور آفت میں ڈال دیں۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اپنے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے۔''

جھوٹ سے متعلق مرزا صاحب کے اپنے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(1) جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص 20 روحانی خزائن جلد 17 ص 56)

(2) وہ کنجر جو ولد الزنا کہلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ بولتے ہوئے شرماتے ہیں۔ (شحنہ حق روحانی خزائن جلد 2، ص 386)

(3) جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں اس پر اعتبار نہیں رہتا۔''
(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23، ص 231)

اب آپ کو چند تحریرات پیش کرتے ہیں جنہیں مرزا صاحب قرآن وحدیث کے نام سے پیش کرتے رہے۔

تحریر نمبر 1۔ ''اے عزیز جو تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لیے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔''
(اربعین نمبر 4 ص 13 روحانی خزائن جلد 17، ص 442)

کیا کسی ایک پیغمبر سے بھی ایسی خواہش کرنا ثابت ہوتا ہے؟ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کے دیکھنے کی خواہش کی ہو۔

تحریر نمبر 2۔ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

''احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔''
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 188 روحانی خزائن جلد 21، ص 359)

احادیث صحیحہ کا مطلب ہے بہت ساری صحیح احادیث موجود ہیں۔ میرے محترم تحقیق کی غرض سے کم از کم چار یا پانچ ایسی صحیح احادیث تو دیکھنی چاہییں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آئے گا کیونکہ مرزا صاحب نے کچھ الفاظ کو احادیث صحیحہ کہا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ
منجانب: آپ کا ایک خیر خواہ

مسافرانِ آخرت

ادارہ

★ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے اجلّ خلیفۂ مُجاز حضرت مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹی رحمہ اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحیم دھرم کوٹی نوّر اللہ مرقدہٗ ۴/ جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۲۰۱۸ء بروز پیر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی عمر تقریباً ۹۵ برس تھی۔ نماز جنازہ ۲۳/ جنوری کو آپ کے آبائی گاؤں چک نمبر ۱۲۶ یم بی ضلع خوشاب میں آپ کے برادرِ اصغر حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی نے پڑھائی اور اپنے والدِ بزرگوار کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ دور دراز سے آئے ہوئے مشائخ، حفاظ اور علماء کرام نے شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم دھرم کوٹی رحمہ اللہ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرّہٗ کی خدمت میں دورہ حدیث مکمل فرمایا۔ آپ نے حضرت اقدس رائے پوری رحمہ اللہ کے دستِ حق پر بیعت فرمائی۔ آپ کی طبیعت، گفتار اور لباس میں نہایت سادگی تھی۔ برس ہا برس بذاتِ خود مسجد کے مؤذن ہونے کی سعادت حاصل رہی۔ اپنے زیادہ اوقات مسجد رحیمی (چک نمبر ۲۶) سے ملحقہ حجرہ میں یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۷ء کو احقر نے پہلی زیارت و ملاقات اسی حجرہ میں کی تھی۔ پھر گاہے گاہے حاضری ہوتی رہی، جب بھی حضرت فیصل آباد تشریف لائے تو احقر کو فون کر کے بلا لیتے۔ بہت ہی محبت بھری، سعادت بھری یادیں حضرت سے وابستہ ہیں۔

دین کے ساتھ ساتھ اللہ پاک نے انھیں دنیاوی عزت و وقار بھی عنایت فرمایا تھا۔ آپ نے نمبرداری کی ذمہ داری بھی بخوبی سرانجام دی۔ اولاد و احفاد کو دینی مزاج و علوم سے بہرہ ور فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالغنی انجینئر رحمہ اللہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

(راقم: ابوحذیفہ عمران فاروق فیصل آباد)

★ ڈاکٹر علی عباس (لاہور) کی پھوپھی مرحومہ، انتقال: ۸/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ ملک محمد حنیف صاحب (لاہور) انتقال: ۱۴/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ قاری عبدالعزیز صاحب (جامعہ فتحیہ لاہور) کے ماموں زاد بشیر احمد مرحوم، انتقال: ۱۴/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ ملک تاج دین صاحب (لاہور) کی اہلیہ، ملک غلام مصطفیٰ صاحب کی والدہ مرحومہ، انتقال: ۲۱/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ مہر سعید انصاری (ملتان) کی بیٹی مرحومہ، انتقال: ۲۳/ دسمبر ۲۰۱۷ء ★ مدرسہ معمورہ ملتان کے طالب علم عبدالخالق خان کی خالہ مرحومہ ★ مدرسہ معمورہ ملتان کے طالب علم محمد عدنان کی نانی مرحومہ ★ مجلس احرار اسلام شہباز پور رحیم یار خان کے کارکن حافظ محمد ندیم کی والدہ مرحومہ، انتقال: ۲۰/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ نقیب ختم نبوت کے قاری، نور خان (لیہ) انتقال: ۱۰/ دسمبر ۲۰۱۷ء ★ نقیب ختم نبوت کے قاری، امیر محمد (لیہ) انتقال: ۲۰/ دسمبر ۲۰۱۷ء ★ ہمارے کرم فرما ملک لیاقت ڈانگرا کی اہلیہ مرحومہ انتقال: ۹/ جنوری ۲۰۱۸ء مطابق ۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ ★ قاری ظہور رحیم عثمانی کی سالی اور مدرسہ معمورہ ملتان کے طالب علم محمد معاویہ کی والدہ مرحومہ، انتقال: ۸/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ مجلس احرار اسلام ملتان کے سرپرست صوفی نذیر احمد صاحب کے داماد محمد طسین، انتقال: ۷/ جنوری ۲۰۱۸ء ★ مجلس احرار اسلام ٹب چوہان رحیم یار

خان کے مخلص کارکن محمد یعقوب چوہان کے چچا جام سلیمان مرحوم، انتقال: ۸/دسمبر ۲۰۱۷ء ★ جامع مسجد عیدگاہ صادق آباد کے مہتمم مولانا محمد طلحہ اور محترم طہٰ کی والدہ ماجدہ ★ حضرت مولانا عبدالاحد رحمہ اللہ (المعروف امام صاحب) سابق امام جامع مسجد بلاک نمبر ۱۲/ چیچہ وطنی کی اہلیہ، ۲۲/جنوری ۲۰۱۸ء کو اسلام آباد میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ کی نماز جنازہ ۲۳/جنوری کو لاہور میں ہوئی اور الفا سوسائٹی کینال ویو کے قبرستان میں تدفین کی گئی۔ مرحومہ قاری ظہور رحیم عثمانی (لیاقت پور) کی چچی صاحبہ اور محمد عابد (قطر) محمد طاہر اور محمد راشد کی والدہ ماجدہ تھیں جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے مرحومہ کے فرزندان سے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ ★ چیچہ وطنی جماعت کے قدیم کارکن جناب محمد یونس چک نمبر 7/112 آر کے جواں سال فرزند محمد سعید ۲۷/دسمبر کو انتقال کر گئے۔ ★ چیچہ وطنی کی بزرگ شخصیت، دارالعلوم ختم نبوت اور جامع مسجد کے معاون خصوصی حاجی ثناء اللہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ ★ حاجی حکیم غلام حسین مرحوم کے فرزند اور حافظ محمد اشرف مدنی، چیچہ وطنی والوں کے بھتیجے حکیم عابد حسین گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ ★ انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ ساہیوال ڈویژن اور جمعیت اہلسنت والجماعت (حنفی) کے امیر قاری منظور احمد طاہر ساہیوال کی والدہ ماجدہ ۲۰/جنوری ہفتہ کو انتقال کر گئیں، نمازِ جنازہ سے قبل مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے تعزیتی گفتگو کی، نمازِ جنازہ مرحومہ کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن ظفر نے پڑھائی۔ ★ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت چیچہ وطنی کے امیر اور جامع مسجد کے خطیب شیخ الحدیث مولانا محمد ارشاد ۲۰/جنوری بروز ہفتہ انتقال کر گئے، پہلی نمازِ جنازہ پیر طریقت حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ مدظلہ العالیٰ نے چیچہ وطنی کے رائے علی نواز اسٹیڈیم میں پڑھائی، جس میں علماء کرام، دینی رہنماؤں، اساتذہ کرام طلباء عزیز، شہریوں اور دور دراز سے حضرت مرحوم کے معتقدین نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی، دوسری نمازِ جنازہ ۲۱/جنوری اتوار کو صبح سوا نو بجے مرحوم کے آبائی گاؤں 81_5 ایل ساہیوال میں ادا کی گئی اور آبائی گاؤں کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیے گئے۔ ★ محترم پروفیسر جاوید (چک EB/261 بورے والا) کے والد محمد حنیف مرحوم گزشتہ ماہ انتقال کر گئے

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خاص اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطاء فرمائے۔

دعاءِ صحت

★ ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المومن بخاری مدظلہ طویل عرصہ سے علیل ہیں

★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ علیل ہیں

★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب گزشتہ دو سال سے شدید علیل ہیں

★ ڈاکٹر محمد الیاس (لاہور) کے بھائی علی شیر ساجد کا بائی پاس ہوا ہے ★ محمد شعیب (لاہور) علیل ہیں

★ مجاہد ختم نبوت محمد سعید طور اتلہ گنگ شدید علیل ہیں ★ مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن حافظ گوہر علی شدید علیل ہیں

★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی گزشتہ ایک سال سے شدید علیل ہے

★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب طویل عرصے سے علیل ہیں

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن طیب علی تگہ کے والد عظمت علی تگہ شدید علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفا کاملہ عطا فرمائے۔